باب ششم

توحید فی الاَسماء و الصفات

اور

شرک فی الاسماء و الصفات

۱۔توحید فی الأسماء	• شرک فی الأسماء
۲۔توحید فی الصفات	• شرک فی الصفات
۳۔توحید فی الأفعال	• شرک فی الأفعال

www.MinhajBooks.com

۱۔ توحید فی الأسماء والصفات

جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ ذات کے اعتبار سے واحد اور یکتا ہے اسی طرح اسماء کے اعتبار سے بھی واحد اور یکتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس میں کوئی اس کا شریک نہیں اور وہ شرک سے پاک ہے اس طرح اس کے خاص اسماء میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ط هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ○ (۱)

”(وہ) آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دو کے درمیان ہے (سب) کا رب ہے۔ پس اس کی عبادت کیجئے اور اس کی عبادت میں ثابت قدم رہیے۔ کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں؟“

- توحید فی الصفات سے مراد یہ عقیدہ ہے کہ وہ صفات جو اللہ رب العزت کے لئے خاص ہیں ان کا اثبات فقط اللہ تعالیٰ کے لئے ہی کیا جائے اور کسی غیر کے لئے ان مختص صفات کے اثبات کا عقیدہ رکھنے سے بچا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات غیر محدود، غیر متناہی اور بالذات ہیں، اللہ تعالیٰ کی ان ہی صفاتِ خاصہ کے حوالے سے چند آیاتِ قرآنی درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ط يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ج وَ

(۱) مریم، ۱۹: ۶۵

جَعَلَ الَّیۡلَ سَکَنًا وَّ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ حُسۡبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ○ وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوۡمَ لِتَهۡتَدُوۡا بِهَا فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ○ وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسۡتَقَرٌّ وَّ مُسۡتَوۡدَعٌ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّفۡقَهُوۡنَ ○ وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیۡءٍ فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡهُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ وَمِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِهَا قِنۡوَانٌ دَانِیَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ الزَّیۡتُوۡنَ وَ الرُّمَّانَ مُشۡتَبِهًا وَّ غَیۡرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰی ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَ یَنۡعِهٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکُمۡ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ○ وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَکَآءَ الۡجِنَّ وَ خَلَقَهُمۡ وَ خَرَقُوۡا لَهٗ بَنِیۡنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ ○ بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اَنّٰی یَکُوۡنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمۡ تَکُنۡ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَ خَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ ۚ وَهُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ○ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمۡ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ فَاعۡبُدُوۡهُ ۚ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ ○ لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ○(۱)

’’بیشک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑ نکالنے والا ہے وہ مُردہ سے زندہ کو پیدا فرماتا ہے اور زندہ سے مُردہ کو نکالنے والا ہے، یہی (شان والا) تو اللہ ہے پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو ○ (وہی) صبح (کی روشنی) کو رات کا اندھیرا چاک کر کے نکالنے والا ہے، اور اسی نے رات کو آرام کے لئے بنایا ہے اور سورج اور چاند کو حساب و شمار کے لئے، یہ بہت غالب بڑے علم والے (ربّ) کا مقررہ اندازہ ہے ○ اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو بنایا تاکہ تم ان کے ذریعے بیابانوں اور دریاؤں کی تاریکیوں میں راستے پا سکو۔ بیشک ہم نے علم

(۱) الانعام، ۶:۹۵۔۱۰۳

رکھنے والی قوم کے لئے (اپنی) نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں○ اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں ایک جان (یعنی ایک خلیہ) سے پیدا فرمایا ہے پھر (تمہارے لئے) ایک جائے اقامت (ہے) اور ایک جائے امانت (مراد رحم مادر اور دنیا ہے یا دنیا اور قبر ہے)۔ بیشک ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانیاں کھول کر بیان کردی ہیں○ اور وہی ہے جس نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا پھر ہم نے اس (بارش) سے ہر قسم کی روئیدگی نکالی پھر ہم نے اس سے سرسبز (کھیتی) نکالی جس سے ہم اوپر تلے پیوستہ دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار (بھی پیدا کئے جو کئی اعتبارات سے) آپس میں ایک جیسے (لگتے) ہیں اور (پھل، ذائقے اور تاثیرات) جداگانہ ہیں۔ تم درخت کے پھل کی طرف دیکھو جب وہ پھل لائے اور اس کے پکنے کو (بھی دیکھو)، بیشک ان میں ایمان رکھنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں○ اور ان کافروں نے جِنّات کو اللہ کا شریک بنایا حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا تھا اور انہوں نے اللہ کے لئے بغیر علم (و دانش) کے لڑکے اور لڑکیاں (بھی) گھڑ لیں۔ وہ ان (تمام) باتوں سے پاک اور بلند و بالا ہے جو یہ (اس سے متعلق) کرتے پھرتے ہیں○ وہی آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے، بھلا اس کی اولاد کیونکر ہو سکتی ہے حالانکہ اس کی بیوی (ہی) نہیں ہے، اور اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے○ یہی (اللہ) تمہارا پروردِگار ہے اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں (وہی) ہر چیز کا خالق ہے پس تم اسی کی عبادت کیا کرو اور وہ ہر چیز پرنگہبان ہے○ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور وہ بڑا باریک بین بڑا باخبر ہے○‘‘

سورۃ الانعام کی درج بالا آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی درج ذیل صفاتِ خاصہ کا بیان ہوا ہے:

۱۔ فالِقُ الحَبِّ وَالنَّوىٰ فی تُرابِ الأَرُض (زمین کی مٹی میں دانے اور گٹھلی کو پھاڑ نکالنے والا)

۲۔ مُخرِجُ الحَيِّ من المَيّت (مردہ سے زندہ کو پیدا کرنے والا)

۳۔ مُخرِجُ الُمَيّت مِن الُحَيِّ (زندہ سے مردہ کو پیدا کرنے والا)

۴۔ فَالِقُ الإِصُبَاح (صبح کی روشنی کو رات کا اندھیرا چاک کر کے نکالنے والا)

۵۔ جاعِلُ اللَّيُل سَكناً (رات کو آرام کے لئے بنانے والا)

۶۔ جاعِلُ الشَّمسِ وَالقَمَر حُسباناً (سورج اور چاند کو حساب وشمار کے لئے بنانے والا)

۷۔ جاعِلُ النُّجُوم لِهِدايَة الناس فی ظُلُماتِ البَرِّ وَ الُبَحُر (بیابانوں اور دریاؤں کی تاریکیوں میں لوگوں کو راستہ دکھانے کے لئے ستاروں کو بنانے والا)

۸۔ مُنُشِئُ النَّاس مِن نَفُسٍ وَاحِدةٍ (لوگوں کو ایک جان (یعنی ایک خلیہ) سے پیدا فرمانے والا)

۹۔ مُنُزِلُ الُمَاءِ مِن السَّمَاء (آسمان کی طرف سے پانی اتارنے والا)

۱۰۔ مُخُرِجُ نَباتِ كُلِّ شیء وَ خَضِرًا (ہر قسم کی نباتات اور کھیتی نکالنے والا)

۱۱۔ مُخُرِجُ أشُجارِ النَّخِيل وَأعُنابٍ وَالزَّيتُو ن وَالرُّمَّان (کھجور، انگور، زیتون اور انار کے درخت پیدا کرنے والا)

۱۲۔ بَدِيُعُ السَّمٰوات وَالأرُض (آسمانوں اور زمینوں کا موجد)

۱۴۔ خَالِقُ كُلِّ شَيُءٍ (ہر چیز کا خالق)

۱۳۔ عَلِيُمُ كُلِّ شَيُءٍ (ہر چیز کو جاننے والا)

۱۵۔ وَكِيُلُ كُلِّ شَيُءٍ (ہر چیز پر نگہبان)

۱۶۔ مُدرِکُ الْأَبْصارِ (سب نگاہوں کا احاطہ کرنے والا)

(۲) اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں فرمایا:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ط فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ج فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ج فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ج فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ○ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ط قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ○[1]

’’آپ (ان سے) فرما دیجئے: تمہیں آسمان اور زمین (یعنی اوپر اور نیچے) سے رزق کون دیتا ہے، یا (تمہارے) کان اور آنکھوں (یعنی سماعت و بصارت) کا مالک کون ہے، اور زندہ کو مُردہ (یعنی جاندار کو بے جان) سے کون نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ (یعنی بے جان کو جاندار) سے کون نکالتا ہے، اور (نظام ہائے کائنات کی) تدبیر کون فرماتا ہے؟ سو وہ کہہ اٹھیں گے کہ اللہ، تو آپ فرمایئے: پھر کیا تم (اس سے) ڈرتے نہیں؟○ پس یہی (عظمت و قدرت والا) اللہ ہی تو تمہارا سچا رب ہے، پس (اس) حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے، سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟○ اسی طرح آپ کے رب کا حکم نافرمانوں پر ثابت ہو کر رہا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے○ آپ (ان سے دریافت) فرمایئے کہ کیا تمہارے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو تخلیق کی ابتداء کرے پھر (زندگی کے معدوم ہو جانے کے بعد) اسے دوبارہ لوٹائے؟ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی (حیات کو عدم سے وجود میں لاتے ہوئے) آفرینش

(۱) یونس، ۱۰: ۳۱۔۳۴

کا آغاز فرماتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ (بھی) فرمائے گا، پھر تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو"

سورۂ یونس کی درج بالا آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی درج ذیل صفاتِ خاصہ کا بیان ہوا ہے:

۱۔ رَازِقُ النَّاس مِنَ السَّماءِ وَالأرْض (لوگوں کو آسمان اور زمین سے رزق عطا کرنے والی ذات)

۲۔ مَالِکُ السَّمْع وَ الأبْصار (سماعت اور بصارتوں کا مالک)

۳۔ مُخْرِجُ الحَيِّ من المَيّت (مردہ سے زندہ کو پیدا کرنے والا)

۴۔ مُخْرِجُ الْمَيِّت مِن الْحَيِّ (زندہ سے مردہ کو پیدا کرنے والا)

۵۔ مُدَبِّرُ الأمْر (امر کی تدبیر فرمانے والا)

۶۔ مُبْدِئُ الْخَلْق (مخلوق کو عدم سے وجود میں لانے والا)

۷۔ مُعِيْدُ الْخَلق (مخلوق کو دوبارہ وجود بخشنے والا)

(۳) اللہ تعالیٰ نے سورۂ یٰسٓ میں فرمایا:

وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ج اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ○ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ○ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ لا وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ط اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ○ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ○ وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ج نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ○ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ○ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ○ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط وَ كُلٌّ

فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَo[1]

’’اور اُن کے لئے ایک نشانی مُردہ زمین ہے، جِسے ہم نے زندہ کیا اور ہم نے اس سے (اناج کے) دانے نکالے، پھر وہ اس میں سے کھاتے ہیںo اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات بنائے اور اس میں ہم نے کچھ چشمے بھی جاری کردیئےo تاکہ وہ اس کے پھل کھائیں اور اسے اُن کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، پھر (بھی) کیا وہ شکر نہیں کرتےo پاک ہے وہ ذات جس نے سب چیزوں کے جوڑے پیدا کئے، ان سے (بھی) جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود اُن کی جانوں سے بھی اور (مزید) ان چیزوں سے بھی جنہیں وہ نہیں جانتےo اور ایک نشانی اُن کے لئے رات (بھی) ہے، ہم اس میں سے (کیسے) دن کو کھینچ لیتے ہیں سو وہ اس وقت اندھیرے میں پڑے رہ جاتے ہیںo اور سورج ہمیشہ اپنی مقررہ منزل کے لئے (بغیر رکے) چلتا رہتا ہے، یہ بڑے غالب بہت علم والے (رب) کی تقدیر ہےo اور ہم نے چاند کی (حرکت و گردش کی) بھی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ (اس کا اہلِ زمین کو دکھائی دینا گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح ہوجاتا ہےo نہ سورج کی یہ مجال کہ وہ (اپنا مدار چھوڑ کر) چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے نمودار ہوسکتی ہے، اور سب (ستارے اور سیارے) اپنے (اپنے) مدار میں حرکت پذیر ہیںo‘‘

(۴) اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں فرمایا:

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْ مَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَo[2]

’’آپ عرض کیجئے: اے اللہ! آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے

(۱) یٰسین، ۳۶:۳۳-۴۰

(۲) الزمر، ۳۹:۴۶

والے، غیب اور ظاہر کا علم رکھنے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن (امور) کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے o‘‘

مذکورہ آیاتِ کریمہ میں بیان ہونے والی صفاتِ خاصہ ہیں جو مخلوق کے لیے ثابت نہیں ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اِلٰـہ (معبود) اس میں کسی کا اشتراک نہیں، وہ بدیع السموات والارض یا فاطر السموات والارض ہے پوری کائنات کا خالق اور اسے عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اشتراک نہیں، وہ مالک یوم الدین ہے، یوم جزا و سزا کا مالک ہے وہی سب کا حساب لیگا اور وہی سب کو جزا و سزا سے نوازے گا، اس میں کسی کا اشتراک نہیں، وہی رازقِ حقیقی ہے۔ وہی حقیقۃً مالک نفع وضرر ہے، اسی پر سب کا توکل ہے، یہ بھی اس کا خاصہ ہے اس میں کوئی شریک نہیں مخلوق کے لئے توسل ہے اور خالق پر توکل، وہی دعاؤں کو سننے والا اور قبول فرمانے والا ہے۔

ذبح اور نذرِ عبادت اسی کا حق ہے، اس کی صفت رحمان ہے۔ یہ اس صفاتی کسی اور کے لئے جائز نہیں جبکہ رحیم مخلوق کے لئے جائز ہے۔ وہی سجدۂ عبادت کا حقدار ہے وہی موت و حیات کا خالق بھی ہے اور مالک بھی اسی طرح اسی کے گھر کا حج ہے، اسی کے گھر کا طواف ہے اسی کے نام پر قربانی ہے اسی کی رضا کے لئے اعمال اور عبادات ہیں۔ الغرض ایسی بہت سی صفات خاصّہ ہیں جن میں وہ وحدہٗ لاشریک ہے، یہی توحید فی الصفات ہے۔

کئی صفات ایسی ہیں جو خالق اور مخلوق دونوں کے درمیان مشترک (Common) ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے لئے کسی اور معنی میں ہوتی ہیں اور مخلوق کے لئے کسی اور معنی میں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات اس کی شان اور اس کے حال کے مطابق ہیں جبکہ مخلوق کے لئے ان کے حسبِ حال یہ صفات محدود، متناہی اور عطائی ہیں۔ مثلاً اللہ بھی (حَیٌّ) ’’زندہ‘‘ ہے اور ما و شما بھی لمحہ موجود میں زندہ ہیں اور اس وقت تک زندہ ہیں جب تک ہم وفات پا کر مردہ نہیں ہو جاتے گویا ۵۰، ۶۰، ۷۰ سال یا اس سے بھی اوپر کی طبعی عمر کو پہنچنے تک ہم بھی زندہ وموجود ہیں اور اللہ بھی زندہ وموجود ہے۔ تو کیا طبعی عمر کے اتنے عرصے کے اشتراک سے

ہم (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے شریک ہو گئے؟ پھر مخلوق میں تو ابتداء سے آج تک موت و حیات کا سلسلہ جاری ہے اور ابدالاباد تک جاری رہے گا جبکہ ہم میں آج کوئی ہے تو کل نہیں۔ گویا من حیث المجموع ایک اعتبار سے مخلوق بھی زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ بھی زندہ ہے۔ لیکن کیا دونوں میں یہ جزوی (partially) شرک تصور ہو گا؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اس لئے کہ مخلوق کے زندہ ہونے کے معنی اور ہیں اور اللہ تعالیٰ کے زندہ ہونے کے معنی اور ہیں۔ یہ صفات میں شرک نہیں بلکہ اشتراک ہے اسکی بحث آگے ایک مستقل باب میں آئے گی۔

ان صفات کا اطلاق مخلوق کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل مختلف معنی میں ہوتا ہے مثلاً قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ شھید بیان ہوئی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ بھی امت کے لئے شھید ہیں۔ تو کیا معاذ اللہ قرآن نے یہ عقیدہ بیان کر کے شرک کی تعلیم دی؟ نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ رؤوف و رحیم ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ بھی رؤوف و رحیم ہیں۔ تو کیا رؤوف و رحیم کا دونوں کے لئے اشتراک ماننے سے شرک لازم ہو گیا؟ نہیں۔ اس طرح کئی اسماء اور صفات ایسی ہیں جو خالق و مخلوق دونوں کے لئے بیان ہوئی جیسے اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے اور انسان بھی سمیع و بصیر تو کیا یہ بیان شرک ہو گیا؟ ہرگز نہیں اس لئے کہ قرآن میں جو مشترک صفات کا بیان ہے ان کی توجیہہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور معنی میں ہے اور مخلوق کے لئے اور معنی میں۔ یہی عقیدہ صحیحہ ہے۔

ہم جو صفات اللہ تعالیٰ کے لئے مانتے ہیں وہ مخلوق کے لئے نہیں مانتے اس لئے ان پر شرک کا اطلاق نہیں ہو گا، شرک فی الصفات ثابت کرنے کے لئے لازم ہے کہ وہ صفت جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہو اسے مخلوق کے لئے ثابت کیا جائے، لیکن اگر کوئی صفت اللہ تعالیٰ کا خاصہ نہیں ہے مگر وہ مخلوق کے لئے بھی ثابت ہے تو اس اشتراک کی صورت میں حقیقت اور مجاز کی تقسیم دونوں میں شرک کے امکان کو ختم کر دیتی ہے۔

• شرک فی الأسماءِ و الصفات

توحید فی الاسماء کے برعکس شرک فی الأسماء یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذاتی اور صفاتی ناموں میں کوئی اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ قرآن وحدیث سے جو اسماء صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو ان اسماء سے پکارنا شرک فی الاسماء ہے۔ اسی طرح اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نیا نام بنانا اور پکارنا خلافِ شرع اور خلافِ ادب ہے۔ بندے کی عقل ناقص اور محدود ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور مرتبہ وراء الوراء ہے، اس تک انسانی عقل کی رسائی ممکن نہیں۔ اپنے مرتبے اور شان کے لائق حسین اور پاک نام وہ خود ہی رکھ سکتا ہے۔ کسی بندے کے بس میں نہیں ہے کہ اس کا کوئی نام رکھ سکے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

هُوَ اللهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ط یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ (۱)

”وہی اللہ ہے جو پیدا فرمانے والا ہے، عدم سے وجود میں لانے والا (یعنی ایجاد فرمانے والا) ہے، صورت عطا فرمانے والا ہے۔ (الغرض) سب اچھے نام اسی کے ہیں، اس کے لئے وہ (سب) چیزیں تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ بڑی عزت والا ہے بڑی حکمت والا ہے ○“

• وہ صفات جو اللہ رب العزت کا خاصہ ہیں اور جن پر خالصۃً اللہ تعالیٰ کا حق ہے اگر ایسی صفات کو کسی غیر کے لئے ثابت کیا جائے تو پھر شرک فی الصفات لازم آئے گا۔ جو صفت اللہ تعالیٰ کے لئے بیان کی گئی اور وہ اس کے لئے خاص ہو تو وہ قرآن کے مطابق قطعی و حتمی طور پر بلاامتیاز صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اسے کسی غیر اللہ کے لئے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بنیادی اور اوّلین شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان اور صفت ہے استواء علی

(۱) الحشر، ۵۹:۲۴

العرش اس کا غیر کے لئے اثبات جائز نہیں، وہ قدیم، ازلی، اور ابدی ہے، وہ زمان و مکان سے پاک ہے۔ وہ تغیر، تکمیل اور حرکات سے منزّہ ہے، اسکی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء، وہ قیوم بالذات ہے۔ وہ احد لا شریک ہے، وہ صمد اور بے نیاز ہے، وہ نہ والد ہے نہ مولود، اسکی نہ کوئی ضد ہے نہ نِد، نہ ہمسر نہ مثال، اس کا نہ کوئی جسم ہے نہ جوہر، وہ غیر محدود اور غیر معدود ہے، نہ اس پر نیند آتی ہے نہ بڑھاپا، نہ اس کی پیدائش ہوئی نہ اس پر موت ہے، وہ ہر شے کا خالق ہے، مالک ہے، ان پر قادر مطق ہے، الغرض ان صفاتِ خاصہ کو کسی غیر کے لئے ثابت کرنا، جزوی طور پر ہو یا وقتی طور پر یہ ’’شرک فی الصفات‘‘ ہوگا۔

قرآن مجید میں ایسے سینکڑوں الفاظ وارد ہوئے ہیں جو بعض اوقات حقوق، صفات، افعال اور اسماء کے باب میں مشترک طور پر استعمال ہوئے ہیں لیکن جس معنی میں وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہیں ان معانی کا اطلاق مخلوق پر نہیں کیا جاسکتا۔ بے شمار الفاظ اللہ تعالیٰ کیلئے جن معانی کے حامل ہیں، مخلوق کے لئے مختلف معانی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کیلئے امین اور قوی کے جو معنی ہیں، مخلوق کے لئے ان الفاظ کے وہ معنی نہیں ہوسکتے۔ ان الوہی صفات کے معانی و مطالب واضح اور معین ہیں۔ ان کے معانی اور تصریحات جدا جدا ہیں اور ان کے معنوی اطلاقات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ چونکہ ان صفاتِ الٰہیہ کا مفہوم اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے لہٰذا مذکورہ الفاظ کی تخصیص اللہ تعالیٰ کیلئے واضح اور متعین ہے۔ ان کا مفہوم اور معنوی اطلاقات، مضمرات و تصورات یکسر مختلف پیرائے میں بیان ہوئے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ اور مخلوق کیلئے یہ تصورات و صفات جدا جدا معنی رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان بہت بڑا معنوی فرق و امتیاز کارفرما ہے۔ پس کسی چیز کے شرک یا عدمِ شرک کا تعیّن کرنے کے لئے یہ حقیقت ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ آیا وہ صفت مشترک ہے یا غیر مشترک۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی خاص یا غیر مشترک صفت ہے اور اسے کسی غیر کیلئے ثابت کیا گیا ہے تو پھر یہ عمل شرک کے مترادف ہوگا۔

بدیہی طور پر اللہ تعالیٰ کی ایک امتیازی صفت الوُھیت ہے جو کسی کے ساتھ مشترک نہیں ہوسکتی۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ معبود ہے اور وہی اس قابل ہے کہ اس کی عبادت

کی جائے۔ اس کے مقابلے میں کسی کو معبود نہیں ٹھہرایا جا سکتا حتی کہ کسی کو استعاراتی یا مجازی طور پر بھی معبود نہیں کہا جا سکتا۔ یہی حال اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کا ہے۔ مخلوق میں کوئی بھی رحمٰن نہیں ہوسکتا۔ رحمٰن ہونا خالصتاً اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رحمٰن مانے تو وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔ لیکن رحیم ہونے کی صفت اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ دونوں میں مشترک ہے لہٰذا آپ ﷺ کو رحیم کہنے سے شرک کا ارتکاب نہیں ہوگا۔

البتہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اسی معنی میں رحیم نہیں مانیں گے جس معنی میں ہم اللہ تعالیٰ کو رحیم مانتے ہیں۔ اگر ایسا کریں گے تو شرک کے مرتکب ہو جائیں گے۔ رحیم کی صفت میں جو تصور اور حقیقت اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی کے ساتھ خواہ وہ حضور ﷺ ہی کیوں نہ ہوں منسوب کرنا شرک ہوگا اگر رحیم کا معنی آپ ﷺ کے لئے آپ کی شان کے مطابق مختلف معنی میں لیا جائے تو پھر شرک نہیں ہوگا۔

www.MinhajBooks.com

۲۔ توحید فی الأفعال

وہ افعال جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہیں ان کا فقط اللہ رب العزت ہی کے لئے ثابت کرنا توحید فی الأفعال کہلاتا ہے مثلاً عدم سے کائنات کو وجود میں لانے والا، زندگی دینے والا اور موت سے ہمکنار کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ اگر چاہے تو اپنے امرِ کُنْ سے ساری کائنات کو نیست و نابود کر دے۔ اسی طرح دوزخ و جنت قائم کرنا، فرشتوں کو تخلیق کرنا، انبیاء کو نبوت و رسالت عطا کرنا، وحی نازل کرنا مخلوق کے لئے ہدایت نازل کرنا، انہیں مرض اور شفا اور موت و حیات سے ہمکنار کرنا، طاعت گزاروں کو ثواب اور نافرمانوں کو عذاب دینا یہ سب افعال الٰہیہ ہیں جو افعالِ خاصہ بھی ہیں۔ خلقِ کائنات کی طرح انعقادِ قیامت بھی افعالِ خاصہ الٰہیہ میں سے ہے۔

اس دنیا میں روز و شب کا نظام، سورج کے طلوع وغروب کا نظام، بارش اور خشک سالی کا نظام، رزق کی فراہمی تنگی اور کشادگی سب اسی کے کام ہیں۔ یہ افعال کسی اور کے نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اولاد، مال و دولت، عزت و آبرو، قوت و اقتدار اور شان و شوکت دینا اور چھین لینا اسی کے دستِ قدرت میں ہے ان افعال میں نہ کوئی اسکا شریک ہے، نہ حصہ دار، نہ معاون اور نہ مددگار۔ ان افعال کا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے عقیدہ رکھنا توحید فی الأفعال کا اثبات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان افعالِ خاصہ کے حوالے سے چند آیاتِ قرآنی درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ○ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ○

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ○(۱)

’’بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین (کی کائنات) کو چھ مدتوں (یعنی چھ ادوار) میں پیدا فرمایا پھر (اپنی شان کے مطابق) عرش پر استوا (یعنی اس کائنات میں اپنے حکم و اقتدار کے نظام کا اجراء) فرمایا۔ وہی رات سے دن کو ڈھانک دیتا ہے (درآنحالیکہ دن رات میں سے) ہر ایک دوسرے کے تعاقب میں تیزی سے لگا رہتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے (سب) اسی کے حکم (سے ایک نظام) کے پابند بنا دیئے گئے ہیں۔ خبردار! (ہر چیز کی) تخلیق اور حکم و تدبیر کا نظام چلانا اسی کا کام ہے۔ اللہ بڑی برکت والا ہے جو تمام جہانوں کی (تدریجاً) پرورش فرمانے والا ہے○ تم اپنے رب سے گِڑگڑا کر اور آہستہ (دونوں طریقوں سے) دعا کیا کرو، بیشک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا○ اور زمین میں اس کے سنور جانے (یعنی ملک کا ماحولِ حیات درست ہو جانے) کے بعد فساد انگیزی نہ کرو اور (اس کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت کی) امید رکھتے ہوئے اس سے دعا کرتے رہا کرو، بیشک اللہ کی رحمت احسان شعار لوگوں (یعنی نیکوکاروں) کے قریب ہوتی ہے○ اور وہی ہے جو اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ (ہوائیں) بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں

(۱) الاعراف، ۷:۵۴۔۵۸

تو ہم ان (بادلوں) کو کسی مردہ (یعنی بے آب و گیاہ) شہر کی طرف ہانک دیتے ہیں پھر ہم اس (بادل) سے پانی برساتے ہیں پھر ہم اس (پانی) کے ذریعے (زمین سے) ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہم (روزِ قیامت) مُردوں کو (قبروں سے) نکالیں گے تاکہ تم نصیحت قبول کرو○ اور جو اچھی (یعنی زرخیز) زمین ہے اس کا سبزہ اللہ کے حکم سے (خوب) نکلتا ہے اور جو (زمین) خراب ہے (اس سے) تھوڑی سی بے فائدہ چیز کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اسی طرح ہم (اپنی) آیتیں (یعنی دلائل اور نشانیاں) ان لوگوں کے لئے بار بار بیان کرتے ہیں جو شکرگزار ہیں○"

سورۃ الاعراف کی درج بالا آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے درج ذیل افعالِ خاصّہ کا ذکر ہوا ہے:

۱۔ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (زمین و آسمان کی تخلیق کرنا)

۲۔ الخلقُ فِیْ سِتَّةِ أَیَّامٍ (چھ دنوں (یعنی ادوار) میں تخلیق کرنا)

۳۔ إغْشاءُ اللَّیلِ بِالنَّھارِ (رات کے ذریعے دن کو ڈھانپنا)

۴۔ جعل نظامِ حَرَکَةِ الأرض (زمین کی حرکت کا نظام بنانا)

۵۔ تَسْخِیرُ الشَّمْسِ وَ القَمَرِ وَالنُّجُوم (سورج، چاند اور ستاروں کو تسخیر کرنا)

۶۔ إرسالُ الرِّیاح (ہواؤں کو بھیجنا)

۷۔ إنزالُ الْمَاءِ (پانی کو برسانا)

۸۔ إخراجُ الثَّمرات وَ النَّبات (ہر قسم کے پھل و نباتات اگانا)

(۲) اللہ تعالیٰ نے سورۃ الإسراء میں ارشاد فرمایا:

رَبُّکُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَکُمُ الْفُلْکَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ط اِنَّهٗ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا○ وَ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ

اِلَّآ اِیَّاہُ ج فَلَمَّا نَجّٰکُمْ اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ط وَ کَانَ الْاِنْسَانُ کَفُوْرًا ○ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ وَکِیْلًا ○ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْکُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَکُمْ بِمَا کَفَرْتُمْ لا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ○ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ○(۱)

’’تمہارا رب وہ ہے جو سمندر (اور دریا) میں تمہارے لئے (جہاز اور) کشتیاں رواں فرماتا ہے تاکہ تم (اندرونی و بیرونی تجارت کے ذریعہ) اس کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو، بیشک وہ تم پر بڑا مہربان ہے ○ اور جب سمندر میں تمہیں کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ (سب بت تمہارے ذہنوں سے) گم ہو جاتے ہیں جن کی تم پرستش کرتے رہتے ہو سوائے اسی (اللہ) کے (جسے تم اس وقت یاد کرتے ہو)، پھر جب وہ (اللہ) تمہیں بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے (تو پھر اس سے) روگردانی کرنے لگتے ہو، اور انسان بڑا ناشکرا واقع ہوا ہے ○ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کے کنارے پر ہی (زمین میں) دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے پھر تم اپنے لئے کوئی کارساز نہ پاسکو گے ○ یا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ اس (سمندر) میں پلٹا کر لے جائے اور تم پر کشتیاں توڑ دینے والی آندھی بھیج دے پھر تمہیں اس کفر کے باعث جو تم کرتے تھے (سمندر میں) غرق کر دے پھر تم اپنے لئے اس (ڈبونے) پر ہم سے مؤاخذہ کرنے والا کوئی نہیں پاؤ گے ○ اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت

(۱) الإسراء، ۱۷: ۶۶۔ ۷۰

بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دے کر برتر بنا دیاo‘‘

سورۃ الإسراء کی ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے درج ذیل افعالِ خاصہ کا ذکر ہوا ہے:

۱۔ حَملُ الناس فِی الْبَرِّ وَ الْبحر (لوگوں کو بحر و بر میں سوار کرنا)

۲۔ ضرّ الناسِ فی الْبحر (سمندر میں مصیبت لاحق کرنا)

۳۔ تنجیۃُ النَّاس مِن الْمُصِیبَۃ فی البَحر (سمندر میں مصیبت سے نجات عطا کرنا)

۴۔ خَسفُ فی الأرض (زمین میں دھنسا دینا)

۵۔ إرسالُ الْحاصِب (پتھر برسانے والی آندھی بھیجنا)

۶۔ إرسالُ القَاصِف مِن الرِّیح (کشتیاں توڑ دینے والی آندھی بھیجنا)

۷۔ الإغراق فی البَحر (سمندر میں غرق کر دینا)

۸۔ تکرِیمُ بنی آدَم (بنو آدم کی تکریم کرنا)

۹۔ رِزقُ الناس مِن الطَّیِّبات (لوگوں کو پاکیزہ رزق مہیا کرنا)

(۳) اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا:

وَ اللّٰہُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ o وَ اِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً ؕ نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِہٖ مِنۡۢ بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیۡنَ o وَ مِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِیۡلِ وَ الۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡہُ سَکَرًا وَّ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ o وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ o ثُمَّ کُلِیۡ

مِنۡ کُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ فِیۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ○(۱)

’’اور اللہ نے آسمان کی جانب سے پانی اتارا اور اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ (یعنی بنجر) ہونے کے بعد زندہ (یعنی سرسبز و شاداب) کر دیا۔ بیشک اس میں (نصیحت) سننے والوں کے لئے نشانی ہے○ اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں (بھی) مقامِ غور ہے، ہم ان کے جسموں کے اندر کی اس چیز سے جو آنتوں کے (بعض) مشمولات اور خون کے اختلاط سے (وجود میں آتی ہے) خالص دودھ نکال کر تمہیں پلاتے ہیں (جو) پینے والوں کے لئے فرحت بخش ہوتا ہے○ اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم شکر اور (دیگر) عمدہ غذائیں بناتے ہو، بیشک اس میں اہلِ عقل کے لئے نشانی ہے○ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں (خیال) ڈال دیا کہ تو بعض پہاڑوں میں اپنے گھر بنا اور بعض درختوں میں اور بعض چھپروں میں (بھی) جنہیں لوگ (چھت کی طرح) اونچا بناتے ہیں○ پس تو ہر قسم کے پھلوں سے رس چوسا کر پھر اپنے رب کے (سمجھائے ہوئے) راستوں پر (جو ان پھلوں اور پھولوں تک جاتے ہیں جن سے تو نے رس چوسنا ہے، دوسری مکھیوں کے لئے بھی) آسانی فراہم کرتے ہوئے چلا کر، ان کے شکموں سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے (وہ شہد ہے) جس کے رنگ جداگانہ ہوتے ہیں، اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے، بیشک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانی ہے○‘‘

سورۃ النحل کی ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے درج ذیل افعالِ خاصّہ کا ذکر ہوا ہے:

۱۔ إنزالُ الماءِ مِنَ السَّماء (آسمان سے پانی اتارنا)

(۱) النحل، ۱۶: ۶۵۔۶۹

۲۔ إحیاءُ الْأرضِ بعْدَ موْتِها (زمین کو بنجر ہونے کے بعد سرسبز و شاداب کرنا)

۳۔ جَعلُ اللَّبَن فی بُطُون الأنعام (مویشیوں کے جسموں کے اندر دودھ فراہم کرنا)

۴۔ جَعلُ رِزقٍ حَسَنٍ مِنَ الثَّمرات لِلنَّاس (لوگوں کے لئے پھلوں سے عمدہ غذائیں بنانا)

۵۔ إخْراجُ الشَّراب مِنْ بَطْنِ النَّحل (شہد کی مکھی کے شکم سے شہد نکالنا)

(۴) اللہ تعالیٰ نے سورۃ النمل میں ارشاد فرمایا:

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ۝ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۝ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝[1]

''فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے منتخب (برگزیدہ) بندوں پر سلامتی ہو، کیا اللہ ہی بہتر ہے یا وہ (معبودانِ باطلہ) جنہیں یہ لوگ (اس کا) شریک ٹھہراتے ہیں۝ بلکہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو

(۱) النمل، ۲۷: ۵۹۔ ۶۴

پیدا فرمایا اور تمہارے لئے آسمانی فضا سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس (پانی) سے تازہ اور خوشنما باغات اُگائے، تمہارے لئے ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغات) کے درخت اُگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو (راہِ حق سے) پرے ہٹ رہے ہیںo بلکہ وہ کون ہے جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لئے بھاری پہاڑ بنائے۔ اور (کھاری اور شیریں) دو سمندروں کے درمیان آڑ بنائی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ بلکہ ان (کفار) میں سے اکثر لوگ بے علم ہیںo بلکہ وہ کون ہے جو بے قرار شخص کی دعا قبول فرماتا ہے جب وہ اسے پکارے اور تکلیف دور فرماتا ہے اور تمہیں زمین میں (پہلے لوگوں کا) وارث و جانشین بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہوo بلکہ وہ کون ہے جو تمہیں خشک و تر (یعنی زمین اور سمندر) کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے اور جو ہواؤں کو اپنی (بارانِ) رحمت سے پہلے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ اللہ ان (معبودانِ باطلہ) سے برتر ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیںo بلکہ وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتا ہے پھر اسی (عملِ تخلیق) کو دہرائے گا اور جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق عطا فرماتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ فرما دیجئے: (اے مشرکو!) اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہوo‘‘

سورۃ النمل کی ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے درج ذیل افعالِ خاصہ کا بیان ہوا ہے:

۱۔ خَلْقُ السَّمٰوات وَالأَرْض (زمین و آسمانوں کی تخلیق کرنا)

۲۔ إنزالُ الْماء مِن السَّماء (آسمان سے پانی اتارنا)

۳۔ إنباتُ الْحَدائِق (باغات کو اگانا)

۴۔ جَعلُ الأَرْض قَرارًا (زمین کو قرارگاہ بنانا)

۵۔ إجراءُ الأَنْهار فِي الأَرْض (زمین کے درمیان نہریں جاری کرنا)

۶۔ جَعلُ الرَّواسِی لِلأرض (زمین کے لئے پہاڑ بنانا)

۷۔ جَعلُ الْحاجِز بَینَ الْبحرَین (کھاری اور شیریں سمندروں کے درمیان آڑ بنانا)

۸۔ إجابَةُ الْمُضطَر (بے قرار کی دعا قبول کرنا)

۹۔ کَشفُ السُّوء (تکلیف دور کرنا)

۱۰۔ الهِدایَة فی ظُلُماتِ البَرِّ و البَحْرِ (بحر و بر کی تاریکیوں میں راستہ دکھانا)

۱۱۔ إرسالُ الرِّیاح (ہواؤں کو بھیجنا)

۱۲۔ بَدءُ الخَلْق (مخلوق کی ابتداء کرنا)

۱۳۔ إعادَةُ الخَلْق (مخلوق کے عملِ تخلیق کو دہرانا)

۱۴۔ رِزقُ النَّاس مِن السَّماء وَالأرْض (زمین و آسمان سے لوگوں کو رزق فراہم کرنا)

(۵) اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۝[۱]

”(اے انسان!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر زمین میں اس کے چشمے رواں کیے، پھر اس کے ذریعے کھیتی پیدا کرتا ہے جس کے رنگ جداگانہ ہوتے ہیں، پھر وہ (تیار ہوکر) خشک ہوجاتی ہے، پھر (پکنے کے بعد) تو اسے زرد دیکھتا ہے، پھر وہ اسے چورا چورا کردیتا ہے، بے شک

(۱) الزمر، ۳۹:۲۱

اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہےo‘‘

(۶) اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمن میں ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُکُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّکُمْ ثُمَّ لِتَکُوْنُوْا شُیُوْخًاج وَ مِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَo هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُج فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُo(۱)

’’وہی ہے جس نے تمہاری (کیمیائی حیات کی ابتدائی) پیدائش مٹی سے کی پھر (حیاتیاتی ابتداء) ایک نطفہ (یعنی ایک خلیہ) سے، پھر رحم مادر میں معلّق وجود سے، پھر (بالآخر) وہی تمہیں بچہ بنا کر نکالتا ہے پھر (تمہیں نشوونما دیتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ۔ پھر (تمہیں عمر کی مہلت دیتا ہے) تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے کوئی (بڑھاپے سے) پہلے ہی وفات پا جاتا ہے اور (یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے) تاکہ تم (اپنی اپنی) مقرّرہ میعاد تک پہنچ جاؤ اور اس لئے (بھی) کہ تم سمجھ سکوo وہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے پھر جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو صرف اسے فرما دیتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتا ہےo‘‘

(۷) اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوح میں ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًاo ثُمَّ یُعِیْدُکُمْ فِیْهَا وَ یُخْرِجُکُمْ اِخْرَاجًاo وَاللّٰهُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًاo لِّتَسْلُکُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًاo(۱)

(۱) المؤمن، ۴۰:۶۷۔۶۸

(۲) نوح، ۷۱:۱۷۔۲۰

’’اور اللہ نے تمہیں زمین سے سبزے کی مانند اُگایاo☆ پھر تم کو اسی (زمین) میں لوٹا دے گا اور (پھر) تم کو (اسی سے دوبارہ) باہر نکالے گاo اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیاo تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو پھروo‘‘

(۸) اللہ تعالیٰ نے سورۂ عبس میں ارشاد فرمایا:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓo اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّاo ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّاo فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّاo وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًاo وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًاo وَّحَدَآئِقَ غُلْبًاo وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّاo مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْo (۱)

’’پس انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا کی طرف دیکھے (اور غور کرے)o بیشک ہم نے خوب زور سے پانی برسایاo پھر ہم نے زمین کو پھاڑ کر چیر ڈالاo پھر ہم نے اس میں اناج اگایاo اور انگور اور ترکاریo اور زیتون اور کھجورo اور گھنے گھنے باغاتo اور (طرح طرح کے) پھل میوے اور (جانوروں کا) چارہo خود تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے متاعِ (زیست)o‘‘

کائنات (زمین و آسمان) اور تمام مخلوقات کا خالق اللہ رب العزت ہے اور اس کی خالقیت اسی کے لئے خاص ہے۔ اس طرح دن اور رات کا بدلنا، سمندروں میں جہاز اور کشتیاں بہ حفاظت رواں دواں کرنا، آسمان سے بارش نازل کرنا اور اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کرنا، بادلوں اور ہواؤں کا چلانا، افعالِ الٰہی ہیں۔

☆ اَرضی زندگی میں پودوں کی طرح حیاتِ اِنسانی کی اِبتداء اور نشو و نما بھی کیمیائی اور حیاتیاتی مراحل سے گزرتے ہوئے تدریجاً ہوئی، اِسی لئے اِسے **اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا** کے بلیغ اِستعارہ کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔

(۱) عبس، ۸۰: ۲۴۔ ۳۲

اللہ تعالیٰ کے افعالِ خاصّہ کا کسی اور کے لئے اثبات شرک ہے

اللہ رب العزت جن افعالِ خاصہ میں وحدہٗ لاشریک ہے انہیں اگر کسی غیر کے لئے ثابت کیا جائے تو یہ شرک ہوگا مثلاً

۱۔ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا خالق ہے یہ خالصتاً اس کا انفرادی اختصاصی فعل ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔

۲۔ انسانوں اور جنوں کا خالق اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ کوئی اور جن و انس کا خالق نہیں ہوسکتا۔

۳۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی قیامت برپا کرنے والا ہے۔ کوئی اور قیامت برپا نہیں کرسکتا۔

۴۔ رحمِ مادر میں وہی بشر کی صورتیں بناتا ہے۔ اس فعل خاص میں کوئی اس کا شریک نہیں، جیسا کہ فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ.(۱)

''(اللہ) وہی ہے جو (ماؤں کے) رحموں میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے۔''

۵۔ وہ رازقِ حقیقی ہے۔ ساری کائنات کو رزق عطا کرنا اس کا فعلِ خاص ہے۔

۶۔ وہ خیر و شر اور نفع و نقصان کا مالک ہے۔ اس کی مشیت کے بغیر نہ کسی کو خیر پہنچ سکتی ہے اور نہ شر۔ اگر وہ کسی کو خیر پہنچانا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا اور اس کے بغیر کوئی شر کو ٹال نہیں سکتا۔

۷۔ معبودِ برحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں۔

۸۔ اپنے منتخب بندوں کو نبوت عطا کرنا، ان کی طرف وحی بھیجنا صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ کوئی اور کسی کو نبوت عطا نہیں کرسکتا۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی اور بالقدرت ہے جب کہ مخلوق کا علم اکتسابی اور بالعطاء ہے۔

---

(۱) آل عمران، ۳:۶

کسی اور کے بارے میں علم بالذات کا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔

۱۰۔ رحمٰن اس کا اسمِ خاص ہے کوئی دوسرا رحمٰن نہیں ہوسکتا۔

۱۱۔ روز وشب اور سورج کے طلوع وغروب کا نظام اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

۱۲۔ بارش اور خشک سالی کا نظام بھی اسی کے دستِ تصرف میں ہے۔

۱۳۔ رزق کی فراہمی تنگی اور کشادگی کا مالک بالذات وہی ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔

۱۴۔ اولاد، مال و دولت، عزت و آبرو، قوت و اقتدار اور شان و شوکت دینا اور چھین لینا وغیرہ وغیرہ۔ سب اسی کے افعالِ خاصہ ہیں۔ ان افعال میں کوئی اسکا شریک اور حصہ دار نہیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے خاص افعال و صفات کو کسی اور کیلئے خواہ وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو ثابت کرنا شرک ہوگا۔ افعال و صفات کی دو ہی صورتیں ہیں: یا تو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہوں گی یا نہیں ہوں گی۔ اگر وہ خاص اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات ہیں تو انہیں کسی اور کیلئے ثابت کرنا شرک ہوگا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ صفات عامہ ہوں تو اس میں لامحالہ دو باتیں ہوں گی: یا تو وہ مخلوق کے حسبِ حال ہیں یا نہیں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق کے لئے بھی ان کے حسبِ حال ثابت ہیں تو شرک صادر نہیں ہوگا۔ بصورتِ دیگر اگر وہ ایسی صفات ہوں کہ جن کا اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا سرے سے جائز ہی نہیں (جیسے میلاد، وسیلہ، شفاعت) تو ان کو شرک نہیں گردانا جا سکتا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ انبیاء و اولیاء اور مقربین و صالحین کی دعا سے، انکی برکت سے، اور ان کے توسّل سے کسی بیمار کو تندرستی و صحتیابی مل جانا، کسی پریشان حال اور دکھی کے دکھوں کا مداوا ہوجانا، کسی بے اولاد کو اولاد کی نعمت نصیب ہونا، کسی غریب ومحتاج کا مال و دولت سے نوازا جانا حق ہے۔ یہ نہ شرک ہے نہ اشتراک، بلکہ محض توسل ہوتا ہے کیونکہ فاعلِ حقیقی جملہ امور میں اللہ تعالیٰ ہی رہتا ہے۔ وہ جس کے باعث اور جس کے سبب سے جس کو جو چاہے عطا فرما دے اور جس سے جو چاہے سلب فرما لے، قدرت اور فعل اسی کا ہی رہتا ہے، سبب خواہ کوئی ہو۔ اس سے ''توحید فی الافعال'' میں حرج واقع نہیں ہوتا۔

• شرک فی الأفعال

توحید فی الأفعال کے برعکس اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو اس کے خاص افعال میں شریک ٹھہرانا شرک فی الأفعال ہے۔

شرک اور اس کا محل

جیسا کہ قبل ازیں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ شرک صرف اس وقت وجود میں آتا ہے جب توحید کی واضح نفی کی جائے کیونکہ یہ طے شدہ امر ہے کہ توحید اور شرک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایمان اور توحید کی نفی ثابت کرنے کیلئے یہ تعیّن کرنا لازمی ہے کہ توحید کے جس درجہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے اس کا شمار حقوق اللہ میں ہو۔ خالصتاً یہ حق کوئی عام یا مشترک حق اور صفت نہ ہو بلکہ بلا شرکتِ غیر خالصتاً، اللہ تعالیٰ کا حق ہو یعنی اس میں اختصاص پایا جائے نہ کہ اشتراک۔ لہٰذا جو شخص کسی کے عمل کو توحید کے منافی خیال کرتے ہوئے شرک کا الزام عائد کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ قرآن و سنت کے قطعی دلائل و شواہد سے اس امر کو حتمی طور پر توحید کے منافی ثابت کرے۔ جب تک وہ ثابت نہیں کرتا اس وقت تک اس کے کسی عمل اور خیال کو مشرکانہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ شرک کا مدار کمیت اور توقیت پر نہیں بلکہ کیفیت و ماہیت پر ہے۔

ا۔ توحید اور شرک کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں ہے

قرآن حکیم نے اکثر و بیشتر مقامات پر مشرکین کے خصوصی پس منظر میں ان کے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے معبودانِ باطلہ کا ذکر کیا ہے اور ان باطل عقائد کا تذکرہ بھی کیا ہے جو ان کے ساتھ انہوں نے وابستہ کر رکھے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی اور کے بارے میں بھی عقیدہ اُلوہیت رکھا جائے تو ایسا کرنا شرک ہوگا۔ قرآن کریم میں ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ج وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ج لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ط سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (۱)

’’انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنا لیا تھا اور مریم کے بیٹے مسیح (علیہ السلام) کو (بھی) حالانکہ انہیں بجز اس کے (کوئی) حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے ایک (ہی) معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان سے پاک ہے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں ○‘‘

یہود و نصاریٰ نے اپنے راہبوں، عابدوں اور عالم لوگوں کو اپنا معبود بنا لیا تھا اس بنا پر وہ مشرک ٹھہرائے گئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قَاتَلَ اللهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ. (۲)

’’اللہ رب العزت یہود کو غارت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا ڈالا۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح بتوں کو سجدہ کرنا منع ہے اسی طرح ماسوی اللہ کو خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو سجدہ کرنا ممنوع اور کفر و شرک ہے۔ توحید اور شرک کے مابین

---

(۱) التوبۃ، ۹: ۳۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلوۃ، باب الصلاۃ فی البیعۃ، ۱: ۱۶۸، رقم: ۴۲۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ، باب النہی عن اتخاذ القبور مساجد، ۱: ۳۷۷، رقم: ۵۳۰

۳۔ ابو داؤد، السنن، کتاب الجنائز، باب فی البناء علی القبر، ۳: ۲۱۶، رقم: ۳۲۲۷

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

فرق کا فقط ایک درجہ ہے۔ ایک ذات الٰہ ہے اور باقی سب ما سوی اللہ اس کے علاوہ کوئی درجہ بندی نہیں۔ ان دونوں میں کوئی اشتراک نہیں۔ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہ اکیلا معبود برحق ہے۔ اگر کوئی اس کی ذات میں کسی اور کو شریک مانے تو یہ توحید فی الذات کی نفی ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک قرار پائے گا۔

۲۔ تقریبِ میلاد النبی ﷺ عینِ توحید ہے شرک نہیں

بعض لوگ جہالت اور کم علمی کی وجہ سے میلاد جیسی مستحسن، بابرکت اور مستحب تقریبات کے انعقاد کو بھی شرک قرار دیتے ہیں۔ میلادِ مصطفیٰ ﷺ جیسا محبوب عمل بھی ان کے نزدیک شرک ہے۔ یہ عقیدہ ہرگز درست نہیں کیونکہ میلاد النبی ﷺ کا انعقاد شرک کی کسی بھی قسم کے تحت نہیں آتا بلکہ وہ عین توحید کا اثبات ہے۔ شرک تو تب ہوگا کہ جو امر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہو اور اس کو کسی اور کیلئے ثابت کیا جائے۔ اگر کوئی شخص میلاد مصطفیٰ ﷺ منانے کو شرک کہتا ہے تو گویا اس کے نزدیک میلاد منانا (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا حق تھا جس کو غیر کے لئے ثابت کیا گیا جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو میلاد جیسی چیزوں سے پاک ہے۔ حقیقتاً میلاد تو ہوتا ہی مخلوق کا ہے لہٰذا میلاد منانا عینِ ایمان ہے۔ اس میں شرک کا شائبہ بھی نہیں۔ راسخ العمل ار صحیح العقیدہ مسلمان حضور نبی اکرم ﷺ کا میلاد منا کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ومکرم بندے ہیں، خالق نہیں۔ اس اعتبار سے میلاد منانا قاطعِ شرک ہے نہ کہ موجبِ شرک۔

۳۔ ایک ممکنہ اعتراض اور اس کا جواب

گذشتہ صفحات میں ہم نے توحید وشرک کے باب میں یہ بیان کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص افعال، اسماء اور صفات کسی اور کیلئے ثابت کئے جائیں تو شرک صادر ہوگا ورنہ نہیں۔ اس پر کوئی یہ اعتراض وارد کرسکتا ہے کہ یہ ’’خاص‘‘ کا اضافہ ہم نے اپنی طرف سے کیا ہے۔ قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے افعال و اسماء اور صفات میں عام وخاص کی قید نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے اگر قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو عام اور خاص کا فرق ثابت ہو جاتا ہے اور اس حوالے سے ہم نے اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا، جیسے مندرجہ ذیل قرآنی ارشادات سے ظاہر ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شہید کہا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًاo(۱)

''اور اپنے نبی مکرّم ﷺ کو بھی شہید کہا، فرمایا: وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔''(۲)

۲۔ اپنے لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌo(۳)

اپنے رسول کے لئے بھی فرمایا: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌo(۴)

۳۔ اپنے لئے فرمایا: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُo(۵)

عام مخلوق کے لئے فرمایا: فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًاo(۶)

معلوم ہوا کہ ایسی درجنوں صفات اور صفاتی اسماء ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق کے لئے بھی ثابت ہیں اس فرق کے ساتھ کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں اور مخلوق کے لئے عام۔

اگر معترضین اللہ تعالیٰ کے سمیع و بصیر ہونے اور مخلوق کے سمیع و بصیر ہونے کے بارے میں یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا سمیع و بصیر ہونا اور معنی میں ہے اور مخلوق کے سمیع و بصیر ہونے کے اور معنی ہیں۔ ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ 'اور معنی'' کا مفہوم قرآن کی کس آیت سے اخذ کر لیا گیا ہے۔ جبکہ وہ خاص و عام معنی کے فرق پر مبنی ہمارے موقف کو نہیں مانتے۔ اگر کوئی غیر مسلم اعتراض وارد کرے تو اور بات ہے لیکن ان کے لئے ہمارا جواب یہ ہے کہ جس کو وہ ''اور معنی'' سے منسوب کر رہے ہیں اسے ہم

(۱) الاحزاب، ۳۳:۵۵

(۲-۳) البقرۃ، ۲:۱۴۳

(۴) التوبۃ، ۹:۱۲۸

(۵) بنی اسرائیل، ۱۷:۱

(۶) الدھر، ۷۶:۱

’’خاص معنی‘‘ کہہ رہے ہیں۔

خلاصۂ بحث

ہمارے مبنی بر حق عقیدہ کی رو سے اگر خاص اور عام کا فرق پیش نظر رہے تو پھر توحید اور شرک کا صحیح تصور نکھر کر واضح ہو جاتا ہے اور سارا فساد خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ بات بات پر شرک کے فتوے یونہی صادر کرتے رہتے ہیں، وہ یہ امتیاز نہیں کرتے کہ کیا مخلوق کے لئے ثابت کرنا جائز ہے اور کیا ثابت کرنا جائز نہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور کیا اللہ تعالیٰ کے لئے خاص نہیں؟ اس خلط مبحث سے توحید اور شرک گڈمڈ ہو جاتا ہے اور تکرار جھگڑا فساد شروع ہو جاتا ہے۔ پس مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات متحقق ہو گئی کہ توحید اور شرک کے باب میں دونوں کے فرق کو سمجھا جائے اور تصورات کی تفہیم کو درست کیا جائے۔

www.MinhajBooks.com

باب ہفتم

توحید فی التحریم
اور
شرک فی التحریم

۱۔ توحید فی التحریمات	• شرک فی التحریمات
۲۔ توحید فی النذور	• شرک فی النذور
۳۔ توحید فی الحلف	• شرک فی الحلف

www.MinhajBooks.com

گزشتہ صفحات میں ہم نے توحید کی تین اقسام توحید فی الاُلوہیت، توحید فی الربوبیت اور توحید فی الأسماء والصفات پر سیر حاصل بحث کی، ذیل میں ہم توحید کی چوتھی قسم توحید فی التحریم کو بیان کریں گے۔

توحید فی التحریم کا مفہوم

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بعض مقامات، بعض مہینوں اور قربانی کے جانوروں کو اپنی نشانیاں اور حرمت والا قرار دیا، انہیں اپنے لیے مختص کر کے بندوں پر ان کے ادب و احترام اور حرمت و تعظیم کو واجب کر دیا۔ شرعاً ان نشانیوں کو شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مبارک نام پر اٹھائی گئی قسم کا ادب و احترام اور اس کے عطا کردہ احکامات کی حلت وحرمت کا لحاظ رکھنا اور ان امور کو اللہ تعالیٰ کے لئے باعثِ حرمت و تعظیم جاننا توحید فی التحریم ہے۔

توحید فی التحریم کی اقسام

توحید فی التحریم کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

۱۔ توحید فی التحریمات

۲۔ توحید فی النذور

۳۔ توحید فی الحلف

آئندہ صفحات میں مندرجہ بالا اقسام پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔

فصل اوّل

توحید فی التحریمات

اور

شرک فی التحریمات

www.MinhajBooks.com

حرمتِ تحریمات کا وجوب

توحید فی التحریمات کا بیان قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے چند آیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْىَ وَالْقَلَآئِدَ ط ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاَنَّ اللهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ○[۱]

''اللہ نے عزت (و ادب) والے گھر کعبہ کو لوگوں کے (دینی و دنیوی امور میں) قیام (امن) کا باعث بنا دیا ہے اور حرمت والے مہینے کو اور کعبہ کی قربانی کو اور گلے میں علامتی پٹے والے جانوروں کو بھی (جو حرمِ مکہ میں لائے گئے ہوں سب کو اسی نسبت سے عزت و احترام عطا کر دیا گیا ہے)، یہ اس لئے کہ تمہیں علم ہو جائے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ خوب جانتا ہے اور اللہ ہر چیز سے بہت واقف ہے○''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کعبۃ اللہ، شہورِ مقدسہ اور قربانی کے جانوروں کے ادب و احترام کو بیان فرمایا۔

۲۔ سورۂ بقرۃ میں صفا و مروہ کی پہاڑیوں کو اللہ رب العزت نے اپنی نشانیاں قرار

(۱) المائدۃ، ۹۷:۵

دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ.(۱)

''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔''

۳۔ سورۃ التوبۃ میں حرمت والے مہینوں کا ذکر فرمایا:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ.(۲)

''بیشک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی اللہ کی کتاب (یعنی نوشتۂ قدرت) میں بارہ مہینے (لکھی) ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین (کے نظام) کو پیدا فرمایا تھا ان میں سے چار مہینے (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) حرمت والے ہیں۔''

۴۔ ان مہینوں کا ادب و احترام اور حرمت یوں بیان فرمائی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ط قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ.(۳)

''لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا حکم دریافت کرتے ہیں، فرما دیں: اس میں جنگ بڑا گناہ ہے۔''

۵۔ سورۂ حج میں قربانی کے جانوروں کو اپنی نشانیاں قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰـهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ.(۴)

''اور قربانی کے بڑے جانوروں (یعنی اونٹ اور گائے وغیرہ) کو ہم نے تمہارے

---

(۱) البقرۃ، ۲:۱۵۸

(۲) التوبۃ، ۹:۳۶

(۳) البقرۃ، ۲:۲۱۷

(۴) الحج، ۲۲:۳۶

لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے ان میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔‘‘

پس مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ امر مترشح ہوا کہ اللہ ﷻ کی تحریمات کا ادب واحترام اور تعظیم وتکریم بجا لانا واجب ہے۔ ان کی بے حرمتی اور اہانت کفر ہے۔

۶۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا. (۱)

’’اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت (و ادب) والے مہینے کی (یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب میں سے کسی ماہ کی) اور نہ حرمِ کعبہ کو بھیجے ہوئے قربانی کے جانوروں کی اور نہ مکہ لائے جانے والے ان جانوروں کی جن کے گلے میں علامتی پٹے ہوں اور نہ حرمت والے گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا قصد کر کے آنے والوں (کے جان و مال اور عزت و آبرو) کی (بے حرمتی کرو کیوں کہ یہ وہ لوگ ہیں) جو اپنے رب کا فضل اور رضا تلاش کر رہے ہیں۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں مندرجہ ذیل تین تحریمات گنوائی گئی ہیں جن کی حرمت واجب ہے:

۱۔ حرمِ کعبہ کی حرمت

۲۔ چار مقدّس مہینوں کی حرمت

۳۔ قربانی کے جانوروں کی حرمت

۷۔ اسی طرح قرآن حکیم میں شعائر اللہ کی تعظیم و توقیر کو دلوں کے تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) المائدۃ، ۵:۲

ذٰلِکَ ق وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ○[۱]

’’یہی (حکم) ہے اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسک وغیرہ کی تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہی لوگ بجا لاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہو گیا ہو)○‘‘

اگر کوئی شخص کسی اور مقام، جگہ اور کسی جانور کی حرمت حرمین شریفین، قربانی کے جانوروں اور شعائر اللہ کی حرمت سے مماثل جانے اور ان سے اسی تعظیم کی نسبت وابستہ کرے مثلاً حرمِ مکہ کی طرح کسی اور مقام پر طواف یا عبادت کو حرم میں عبادت کے مماثل جانے، اسی طرح مسجد نبوی شریف میں ریاض الجنۃ جیسی فضیلت وتحریم کسی اور جگہ کے لئے ثابت کرے تو وہ شرک فی التحریم کا مرتکب ہو گا۔

مکہ کو ابراہیم علیہ السلام نے اور مدینہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرم بنایا

صحیح احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرّمہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم بنایا پس اس کی حرمت واجب ہوگئی جس کو پامال کرنا شرک قرار پایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تشریعی اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے اپنی مبارک جائے سکونت مدینہ منورہ کو حرم بنا دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عاصم راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لِأَهْلِهَا. وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ.[۲]

’’حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکّہ کو حرم بنایا تھا اور اہلِ مکّہ کے لئے دعا کی تھی،

(۱) الحج، ۲۲:۳۲

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ، ۲:۹۹۱، رقم: ۱۳۶۰

اور بلاشبہ مدینہ کو میں حرم بناتا ہوں جس طرح مکہ کو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے حرم بنایا تھا۔‘‘

پس مدینہ منورہ کی تحریم حضور نبی اکرم ﷺ کے تشریعی اختیار کی بدولت ہے، حرمِ مکہ کی طرح حرم مدینہ کی حدود میں بھی کسی قسم کی زیادتی کی اجازت نہیں۔ مثلاً یہ کہ وہاں کوئی بھی جنگ و قتال نہیں کرسکتا، درخت نہیں کاٹ سکتا۔ یہ سب تحریمات صرف حرمین شریفین کے لئے ہیں۔ اب اگر کوئی اس طرح کسی اور شہر اور جگہ کو حرم بنا کر حرمین شریفین کی طرح اس کیلئے حرمت و تعظیم کے قواعد وضع کرے تو یہ بھی شرک فی التحریم ہو گا۔

• شرک فی التحریم

وہ تحریمات جو اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی ذاتِ وحدہ لاشریک کے لئے خاص ہیں وہ یا ان سے مماثل تحریمات کو غیر خدا کے لئے ثابت کرنا شرک فی التحریم ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں کفار و مشرکین کے حوالے سے ہوا ہے جو اپنے کھیتوں اور مویشیوں کو اپنے بتوں لات و منات، ھبل و عزیٰ اور دیگر طواغیت کے نام مختص کر کے ان کا استعمال اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے۔ قرآنِ حکیم نے ان کے اس مشرکانہ عمل پر ان کو سخت وعید سنائی کیونکہ تحریمات شعائر اللہ ہیں جن کا ادب و احترام اور تعظیم صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہوتی ہے۔

شرک فی التحریم کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ شرک فی التحریمات

۲۔ شرک فی النذور

۳۔ شرک فی الحلف

قرآنِ حکیم میں کفار کے باطل طرزِ عمل کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے:

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ق صلے لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً

عَلَيۡهِ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ○[1]

”اور اپنے خیالِ (باطل) سے (یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ (مخصوص) مویشی اور کھیتی ممنوع ہے، اسے کوئی نہیں کھا سکتا سوائے اس کے جسے ہم چاہیں اور (یہ کہ بعض) چوپائے ایسے ہیں جن کی پیٹھ (پر سواری) کو حرام کیا گیا ہے اور (بعض) مویشی ایسے ہیں کہ جن پر (ذبح کے وقت) یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے (یہ سب) اللہ پر بہتان باندھنا ہے، عنقریب وہ انہیں (اس بات کی) سزا دے گا جو وہ بہتان باندھتے تھے ○“

کسی چیز کو حلال و حرام ٹھہرانا خالصتاً اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ کا حق تھا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار و مشرکین کو حرمت و حلت کا کوئی حکم نہیں تھا مگر کفار و مشرکین اپنے بتوں اور طواغیت کے نام پر مویشی اور کھیتی کو مختص کر کے خیالِ باطل سے کہتے تھے کہ ان کا استعمال حرام ہے، سوائے اس شخص کے جسے وہ چاہتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبّہ کیا کہ تمہاری یہ سب تحریمات بے بنیاد اور بغیر دلیل و حجت ہیں۔ اسی لئے انہیں واضح فرما دیا کہ ان کا حلال و حرام ٹھہرانے کا یہ عمل اور ان کی یہ خود ساختہ تحریمات اللہ رب العزت پر بہتان باندھنے کے مترادف ہیں اور ایسے نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ عنقریب سزا دینے والا ہے۔ انہوں نے بزعمِ خویش ان مختص کیے گئے جانوروں پر سواری کو حرام قرار دیا تھا جبکہ بعض جانوروں پر بوقتِ ذبح وہ اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی بجائے اپنے بتوں (لات، منات اور عزیٰ) کا نام لینے جیسے قبیح شرک میں بھی مبتلا تھے۔

اسی طرح کفار و مشرکین اپنے تئیں جانوروں کے پیٹ میں بچے کو مَردوں کیلئے حلال جبکہ عورتوں کیلئے حرام جانتے اور مُردار ہونے کی صورت میں سب کے سب بلاامتیاز اس کے کھانے میں شریک ہو جاتے۔ ان کی اس روش کو بھی قرآن نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَقَالُوۡا مَا فِيۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوۡرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى

(۱) الانعام، ۶: ۱۳۸

اَزْوَاجِنَاج وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُط سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْط اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌo(۱)

''اور (یہ بھی) کہتے ہیں کہ جو (بچہ) ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام کر دیا گیا ہے اور اگر وہ (بچہ) مرا ہوا (پیدا) ہو تو وہ (مرد اور عورتیں) سب اس میں شریک ہوتے ہیں، عنقریب وہ انہیں ان کی (من گھڑت) باتوں کی سزا دے گا، بیشک وہ بڑی حکمت والا خوب جاننے والا ہےo''

یہ سب ایسی تحریمات ہیں جو خالصتاً اللہ رب العزت کا حق ہے مگر کفار و مشرکین نے اس حق کو اپنے معبودانِ باطلہ کی طرف منسوب کر دیا تھا، پس اِن کا یہ عمل شرک ٹھہرا۔

شعائر اللہ کی حرمت کا قرآنی مفہوم

اہلِ ایمان کو صراحۃً شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع کیا گیا ہے، اس تحریم سے یہ حرمت ان صورتوں میں واجب کر دی گئی مثلاً یہ کہ

۱۔ وہاں شکار نہیں کھیلا جا سکتا۔

۲۔ جنگ نہیں کی جاسکتی۔

۳۔ اسی طرح حرمت والے مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب) کی بے حرمتی اور بے ادبی ممنوع قرار پائی۔

۴۔ قربانی کے جانوروں (جن کے گلے میں نشانی کے طور پر پٹے باندھے ہوئے ہوں) کی بے حرمتی سے منع کر دیا گیا۔

اب اگر کوئی شخص کسی اور جگہ یا کسی اور مقام کی حرمت و تعظیم حرمین کی طرح کرے یا دیگر جانوروں کی حرمت و تعظیم بھی شعائر اللہ سمجھ کر کرے، اور ان کی بے حرمتی کو حرام جانے تو

(۱) الانعام، ٦:۱۳۹

ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی التحریم شمار ہوگا جس کے مرتکب کفار و مشرکین ہوئے تھے۔

سورۃ المائدۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا جَعَلَ اللهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِيْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ ط وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○[۱]

"اللہ نے نہ تو بحیرہ کو (امرِ شرعی) مقرر کیا ہے، اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو، لیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے○"

اس آیت میں کفار و مشرکین کی اپنی طرف سے مقرر کردہ غیر شرعی امور کی وضاحت کی گئی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ بحیرہ

یہ وہ اونٹنی تھی جس کا دودھ دوہنا مشرکین بتوں کے نام منسوب کر کے دوسروں کو اس کے تمتع سے منع کر دیتے لٰہذا کوئی اس کا دودھ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ یا اس سے مراد وہ اونٹنی ہوتی جو پانچ بچے دے اور جب آخری بچہ ہوتا تو اس کا کان چھید دیتے اور بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے۔ اس سے دودھ، گوشت یا کام لینا حرام سمجھتے۔

۲۔ سائبہ

یہ بتوں کے نام موسوم وہ اونٹنی تھی جس کو وہ اپنے بتوں کے نام پر کھلا چھوڑ دیتے اور اس پر باربرداری کو حرام سمجھتے۔

۳۔ وصیلہ

جو اونٹنی پہلی بار بچہ اور بچی دونوں دے۔ دوسری بار بچی دے تو اس کو بھی اپنے بتوں کے لئے مخصوص کر دیتے بشرطیکہ درمیان میں بچہ نہ ہو۔

(۱) المائدۃ، ۵:۱۰۳

۴۔ حام

یہ وہ اونٹ ہے جس سے دس عدد اونٹنیاں بچے جنم دیں جب وہ یہ مقرر کردہ تعداد حاصل کر لیتا تو اسے اپنے بتوں کے نام پر آزاد کر دیتے اور اس کو بار برداری سے مستثنیٰ کر دیتے۔

غرض کفار و مشرکین خود ساختہ حرمت قائم کر کے ان جانوروں سے ہر قسم کا فائدہ اٹھانا از خود اپنے اوپر حرام کر لیتے اس طرح انہوں نے وہ تقدس جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اور اللہ ہی کا حق تھا اسے اصنام و اوثان کی طرف منسوب کر کے شرک فی التحریم کا ارتکاب کیا۔

احترامات اور تحریمات میں فرق

جیسا کہ اوپر وضاحت ہو چکی ہے کہ توحید فی التحریم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے خاص ہے۔ ان تحریماتِ الٰہیہ کو غیر کیلئے ثابت کرنا شرک ہے۔ مثلاً کفار و مشرکین کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنی کھیتیوں اور مویشیوں کو اپنے بتوں کے نام پر مختص کر کے حرام کر دیتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اب انہیں ان کے علاوہ کوئی اور کھا نہیں سکتا اور نہ ان پر کوئی سواری کر سکتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ایسے جانور مختص کرے، ان کا احترام بجا لائے اور ان کی بے حرمتی کو از خود حرام جانے تو ایسا عقیدہ شرک ہو گا لیکن انبیاء و اولیاء کے ساتھ منسوب اشیاء کا احترام کرنا تحریم نہ ہو گا۔ احترام الگ چیز ہے اور تحریم جدا۔ ان دونوں کو خلط ملط کرنا درست نہیں ہے کیونکہ انبیاء و اولیاء سے منسوب ایام و اماکن کی تعظیم و تکریم بجا لانا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے چند ایک دلائل ملاحظہ کیجئے:

۱۔ یومِ تخلیقِ آدم علیہ السلام کا احترام

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں جہاں اپنے محبوب اور برگزیدہ بندوں کی تعظیم کی تعلیم دینے کے لئے ان کی ولادت کا ذکر فرمایا ہے وہیں سب سے پہلا ذکر ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش کا کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً.(۱)

’’اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔‘‘

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے اور صرف تخلیق کا ذکر ہی نہیں بلکہ ان کی حیاتِ طیبہ کے کئی پہلوؤں کا ذکر موجود ہے جیسے جنت میں ان کے رہن سہن، تخلیقِ آدم علیہ السلام پر فرشتوں کی چہ مگوئیاں، شیطان رجیم کا اعتراض اور پیکرِ آدم کو سجدہ نہ کرنے کا تذکرہ۔ انسانی تخلیق سے متعلق جتنی آیاتِ مبارکہ ہیں ان کے اولین مصداق سیدنا آدم علیہ السلام ہیں جن کے احوال کو تفصیل سے قرآن مجید کی زینت بنایا گیا ہے اور یہ سارا تذکرہ ان کی عظمت اور ادب و احترام پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔ یومِ نجاتِ نوح علیہ السلام کا احترام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہود سے یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات اور قومِ نوح اور فرعون کے غرق ہونے کا بیان کرکے کہا:

وَهَذَا يَوْمُ اسْتَوَتْ فِيهِ السَّفِينَةُ عَلَى الْجُودِيِّ فَصَامَهُ نُوحٌ وَ مُوسَى شُكْرًا لِلّٰهِ تَعَالٰى. فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أَنَا أَحَقُّ بِمُوسَى وَ أَحَقُّ بِصَوْمِ هَذَا الْيَوْمِ فَأَمَرَ أَصْحَابَهُ بِالصَّوْمِ.(۲)

’’اور اس دن جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہری تو نوح اور موسیٰ علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں موسیٰ کا زیادہ حق دار ہوں اور میں اس دن روزہ رکھنے کا بھی زیادہ حق دار ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) البقرة، ۲: ۳۰

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۵۹، رقم: ۸۷۰۲

۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۴۷

نے اپنے صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔‘‘

۳۔ یومِ غلافِ کعبہ کا احترام

دورِ جاہلیت میں قریش یومِ عاشوراء کا روزہ رکھتے اور اس دن کو عید کے طور پر مناتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دن بیت اللہ پر پہلی دفعہ غلاف چڑھایا گیا تھا جس کے سبب وہ اس دن کا اکرام و احترام کرتے ہوئے روزہ رکھتے۔ ہجرت سے قبل حضور ﷺ نے بھی اس دن روزہ رکھا۔ بعد میں یوم عاشوراء کے روزہ کی فرضیت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ عَاشُوْرَاءَ قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ رَمَضَانُ وَكَانَ يَوْمًا تُسْتَرُ فِيْهِ الْكَعْبَةُ، فَلَمَّا فَرَضَ اللهُ رَمَضَانَ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ شَاءَ أَنْ يَصُوْمَهُ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ شَاءَ أَنْ يَتْرُكَهُ فَلْيَتْرُكْهُ۔(1)

’’رمضان کے روزے فرض ہونے سے قبل وہ (یعنی اہلِ مکہ) یومِ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور اس دن کعبہ کو غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کر دیئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو اس دن روزہ رکھنا چاہے تو وہ روزہ رکھ لے اور جو ترک کرنا چاہے تو وہ ترک کر دے۔‘‘

یومِ عاشوراء کا روزہ رکھنے سے مقصود دراصل غلافِ کعبہ کا احترام تھا۔

۴۔ یومِ ولادتِ یحییٰ علیہ السلام کا احترام

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کو بھی تفصیل

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب قول الله: جعل الله الكعبة البيت الحرام، ۲: ۵۷۸، رقم: ۱۵۱۵
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷: ۲۷۸، رقم: ۷۴۹۵
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵: ۱۵۹، رقم ۹۵۱۳

سے بیان فرمایا ہے جب ان کے والد گرامی اور اللہ کے نبی حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کے دوران میں توسل مکانی کیا اور حجرۂ مریم علیہا السلام میں کھڑے دعا کی اس کو بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

هُنَالِکَ دَعَا زَکَرِيَّا رَبَّهٗ ج قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ج اِنَّکَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ لا اَنَّ اللهَ يُبَشِّرُکَ بِيَحْيٰی مُصَدِّقًا م بِکَلِمَةٍ مِّنَ اللهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ اَنّٰی يَکُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِيَ الْکِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ط قَالَ کَذٰلِکَ اللهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ○ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ط قَالَ اٰيَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ط وَ اذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْکَارِ ○ (۱)

’’اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے ○ ابھی وہ حجرے میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے (یا دعا ہی کر رہے تھے کہ) انہیں فرشتوں نے آواز دی: بے شک اللہ آپ کو (فرزند) یحيٰی (علیہ السلام) کی بشارت دیتا ہے جو کلمۃ اللہ (یعنی عیسٰی علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور عورتوں (کی رغبت) سے بہت محفوظ ہوگا اور (ہمارے) خاص نیکوکار بندوں میں سے نبی ہوگا ○ (زکریا علیہ السلام نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ درآنحالیکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی (بھی) بانجھ ہے، فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○ عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما؟ فرمایا تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے سوائے اشارے کے بات نہیں کر سکو گے، اور اپنے

(۱) آل عمران، ۳: ۳۸۔۴۱

رب کو کثرت سے یاد کرو اور شام اور صبح اس کی تسبیح کرتے رہو o‘‘

واضح ہو کہ ابھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت نہیں ہوئی صرف دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے قبل از ولادت ان کے بعض فضائل کا ذکر کیا۔

۵۔ ولادتِ موسیٰ علیہ السلام کا احترام

سیدنا موسیٰ علیہ السلام وہ جلیل القدر نبی ہیں جنہوں نے فرعون جیسے ظالم، جابر اور سرکش شخص کو جو زمین پر خدائی کا دعویدار بنا بیٹھا تھا للکارا۔ اللہ رب العزت نے آپ علیہ السلام کی بعثت کے ذریعہ قومِ بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم و ستم سے نجات دی، فرعون کو غرق کر کے ہمیشہ کیلئے نشانِ عبرت بنا دیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل فرعون نے قوم بنی اسرائیل پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ جب اسے نجومیوں نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں کسی ایسے بچے کی پیدائش ہونے والی ہے جس کے ذریعہ بنی اسرائیل تمہاری محکومی سے نجات پا لے گی تو اس نے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیئے، لڑکوں کو ذبح کروا دیتا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا۔ اس پس منظر میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی جسے اللہ رب العزت نے بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن کریم کا موضوع بنایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر قرآن مجید کے متعدد مقامات پر تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ’’سورہ القصص‘‘ کا آغاز ہی قصۂ موسیٰ و فرعون سے ہوا ہے جو کہ ۵۰ آیات مبارکہ پر مشتمل ہے۔

پہلی ۱۴ آیاتِ کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کے حالات، ان کی پیدائش، پھر دودھ پلائے جانے کا بیان، ان کے بامرِ الٰہی صندوق میں ڈالے جانے، فرعون کے محل کے ساتھ دریا کی لہروں کے دوش پر بہتے ہوئے صندوق کے وہاں پہنچنے کا بیان، پھر فرعون کے محل میں پرورش پانے اور رضاعت کے لئے ان کی والدہ کی طرف لوٹائے جانے اور جوانی اور بعثت یعنی ایک ایک چیز کو بیان کیا ہے۔

یہی ولادتِ موسیٰ علیہ السلام کا احترام ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

۶۔ ولادتِ مریم علیہا السلام کا احترام

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت کو بھی بیان کیا ہے جو اگرچہ پیغمبر نہیں لیکن ایک برگزیدہ پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اور ایک پاکباز ولیۂ کاملہ ہیں۔ ان کی ولادت بیان کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے بعض انبیاء علیہم السلام اور ان کی نسل کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَo ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ط وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌo(۱)

”بیشک اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو اور نوح (علیہ السلام) کو اور آلِ ابراہیم کو اور آلِ عمران کو سب جہان والوں پر (بزرگی میں) منتخب فرما لیا۔ یہ ایک ہی نسل ہے ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہےo“

یہ تمہید تھی جس سے آگے حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت کا بیان ہو رہا ہے۔ اب کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ قرآن نے گذشتہ واقعہ بیان کیا ہے تو آپ اس کو ادب و احترام کے زمرے میں کیوں شامل کر رہے ہیں؟ ایسا ذہن رکھنے والے لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ یہ اندازِ بیان اللہ تعالیٰ نے فقط اپنے خاص بندوں کے مقام و مرتبہ کو اجاگر کرنے کی غرض سے اپنایا ہے جس سے ان بندوں کا ادب واحترام لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانا مقصود ہوتا ہے۔

۷۔ یومِ ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام کا احترام

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام جو اللہ رب العزت کی پاکباز ولیہ تھیں۔ ان کے ذکر کے بعد ان کے فرزند اللہ کے برگزیدہ نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیان فرمایا۔ سورۂ مریم کا ایک مکمل رکوع ذکرِ عیسیٰ علیہ السلام پر

(۱) آلِ عمران، ۳: ۳۳۔۳۴

مشتمل ہے جس میں ان کی ولادت سے قبل ان کی والدہ محترمہ کو بیٹے کی خوشخبری دیئے جانے سمیت تفصیلی واقعہ کا بیان قرآن مجید میں مذکور ہے جو ان کے یومِ ولادت کے احترام کو آشکار کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے قرآن مجید کلام کی نسبت ان کے یومِ ولادت کی طرف کر کے فرماتا ہے:

وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ○ (۱)

''اور مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن، اور میری وفات کے دن، اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا ○''

۸۔ مولدِ عیسیٰ علیہ السلام ہونے کے سبب بیتِ لحم کا احترام

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سفرِ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے بیت اللحم کے مقام پر مجھ سے کہا:

أَنْزِلْ فَصَلِّ، فَنَزَلْتُ فَصَلَّيْتُ، فَقَالَ: أَتَدْرِی أَيْنَ صَلَّيْتَ؟ صَلَّيْتَ بَيْتَ لَحْمٍ حَيْثُ وُلِدَ عِيسَی علیہ السلام۔ (۲)

''آپ (براق سے) اتریئے اور نماز پڑھیے تو میں نے اتر کر نماز ادا کی، پس اس نے کہا: آپ جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہاں نماز ادا کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللحم میں نماز ادا کی ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔''

(۱) مریم، ۱۹:۳۳

(۲) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب الصلاۃ، باب فرض الصلاۃ، ۱:۲۲۲، رقم: ۴۵۰

۲۔ طبرانی، مسند الشامیین، ۱:۱۹۴، رقم: ۳۴۱

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳:۷

۹۔ یومِ نزولِ مائدۃ کا احترام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی امت کیلئے مائدہ کی نعمت طلب کی تو یوں دعا مانگی:

اللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوۡنُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنۡکَ ۚ وَارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ○ (۱)

’’اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوانِ (نعمت) نازل فرما دے کہ (اس کے اترنے کا دن) ہمارے لئے عید ہوجائے، ہمارے اگلوں کے لئے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لئے (بھی)، اور (وہ خوان) تیری طرف سے نشانی ہو، اور ہمیں رزق عطا کر! اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے○‘‘

قرآنِ حکیم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کی زبان سے یہ تصور واضح ہوا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی نعمت اترے اس دن کی تعظیم بجا لائی جائے اور اس کا احترام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکرانہ ادا کیا جائے۔

۱۰۔ یومِ ولادتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام

انبیاء علیہم السلام کی ولادت کے واقعات کا ذکر، ان کے کمالات و برکات اور ان پر رب کریم کی عنایات کا ذکر سنتِ الٰہیہ ہے اور ان کا بار بار دہرانا قرآن کا منشاء ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اپنے نبیوں کی ولادت کا ذکر فرما کر ان کی شان کو اجاگر کیا۔ دیگر انبیاء کی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔

مطالعۂ قرآن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت نے امام الانبیاء

(۱) المائدۃ، ۵: ۱۱۴

رحمت عالم ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا وہ فقط ذکرِ ولادت تھا مگر جب آپ ﷺ کا ذکر کیا تو اس شانِ امتیاز کے ساتھ کیا کہ سورۃ البلد کی ابتدائی تین آیات میں آپ ﷺ کی ولادت کی نسبت سے نہ صرف آپ ﷺ کے شہرِ ولادت بلکہ آپ ﷺ کے آباو اجداد اور خود آپ ﷺ کی قسم کھائی۔

۱۱۔ حضور ﷺ نے اپنے یومِ میلاد کے احترام کی تخصیص فرمائی

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے امت کو اپنے یومِ میلاد کے احترام کی تعلیم دی جیسا کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

فِيهِ وُلِدْتُ وَ فِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ۔ (۱)

”اسی روز میری ولادت ہوئی، اسی روز میری بعثت ہوئی اور اسی روز میرے اوپر قرآن نازل کیا گیا۔“

حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے ولادت کی خوشی میں بکرے ذبح کئے اور ضیافت کا اہتمام فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَقَّ عَنْ نَفْسِهِ بَعْدَ مَا بُعِثَ نَبِيًّا۔ (۲)

”حضور نبی اکرم ﷺ نے بعد از بعثت اپنا عقیقہ کیا۔“

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر، ۲: ۸۱۹، رقم: ۱۱۶۲

(۲) ۱۔ مقدسی، الاحاديث المختارة، ۵: ۲۰۵، رقم: ۱۸۳۲
۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۱: ۲۹۸، رقم: ۹۹۴
۳۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۸۶، رقم: ۱۳۷۱

ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَقَّ عَنْ نَفْسِهِ بَعْدَ النُّبُوَّةِ۔[1]

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔‘‘

محدثینِ کرام نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہاں عقیقہ مراد نہیں کیونکہ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبد المطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے ساتویں روز کر دیا تھا۔ لہٰذا اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی ولادت پر اظہارِ شکرِ باری تعالیٰ ہے۔

۱۲۔ ’’اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ‘‘ کے یومِ نزول کا احترام

۱۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْيَهُوْدِ قَالَ لَهُ: يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! آيَةٌ فِي كِتَابِكُمْ تَقْرَؤُوْنَهَا لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُوْدِ نَزَلَتْ لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ عِيْدًا، قَالَ: أَيُّ آيَةٍ؟ قَالَ: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾.

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۳۰۰، رقم: ۴۳

۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۵۹۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب زیادۃ الإیمان ونقصانہ، ۱: ۲۵، رقم: ۴۵

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی الصحیح، کتاب المغازی (رقم: ۴۱۴۵)، کتاب تفسیر القرآن (رقم: ۴۳۳۰) اور کتاب الاعتصام (رقم: ۶۸۴۰) میں بھی بیان کیا ہے۔

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب التفسیر، ۴: ۲۳۱۳، رقم: ۳۰۱۷

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب من سورۃ المائدۃ، ۵: ۲۵۰، رقم: ۳۰۴۳

قَالَ عُمَرُ: قَدْ عَرَفْنَا ذٰلِکَ الْيَوْمَ وَالْمَکَانَ الَّذِي نَزَلَتْ فِيْهِ عَلَی النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ۔(۲)

’’ایک یہودی نے ان سے کہا: یا امیرالمومنین! آپ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں اگر وہ ہم یعنی قوم یہود پر اترتی تو ہم اس دن کوعید بنا لیتے، آپ نے فرمایا، کون سی آیت؟ اس نے کہا: ﴿اَلْيَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِيْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْکُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة، ۵: ۳] (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطورِ) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اس دن اور جگہ کو پہچانتے ہیں جس میں یہ آیت حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی اس حالت میں کہ آپ ﷺ عرفات کے مقام پر جمعہ کے دن قیام فرما تھے۔‘‘

حدیث مذکور میں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ یہودی کا سوال یہ تھا اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو ہم اس دن کو عید کے طور پر مناتے، تم کیوں نہیں مناتے؟ یہاں جواب بھی اسی نوعیت کا ہونا چاہیے تھا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں نزول کا دن اور مقام بیان فرما دیا کہ ہم اس دن اور جگہ کو پہچانتے ہیں جہاں یہ آیت نازل ہوئی، وہ میدان عرفات یعنی یوم الحج اور یوم الجمعہ تھا۔ ظاہراً جواب کی سوال سے مطابقت نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب سوال کے عین مطابق ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ’عرفہ اور یوم الجمعہ‘ کے الفاظ سے ہی اس کا مکمل جواب دے دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اشارۃً بتا دیا کہ یہ یومِ حج اور یومِ جمعہ ہمارے ہاں دونوں عید کے دن ہیں، یوم الحج سالانہ عید اور جمعۃ المبارک ہفتہ وار عید۔ اس لیے یہودی اس جواب سے مطمئن ہوگیا اور دوبارہ سوال نہ کیا۔

یہ سب احترامات ہیں، تحریمات نہیں

مذکورہ بالا احترامات کی صورتیں جو قرآن حکیم سے بیان کی گئی ہیں ان کا ادب و احترام بجا لانا حکمِ شریعت ہے۔ پس یومِ تخلیقِ آدم علیہ السلام کا احترام ہو یا یومِ نجات نوح علیہ السلام، یومِ غلافِ کعبہ کا احترام ہو یا یومِ ولادتِ عیسیٰ و مریم علیہما السلام کی تعظیم، اسی طرح یومِ فتحِ موسوی علیہ السلام اور یومِ ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام ہو یا یومِ آیت اَکْمَلْتُ وغیرہم کا۔ یہ سب احترامات کی صورتیں ہیں، تحریمات نہیں کیونکہ تحریمات اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں جیسے شعائر اللہ صفا و مروہ اور قربانی کے جانور وغیرہ، ان کی حرمت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مختص ہے۔

www.MinhajBooks.com

فصل دوم

توحید فی النّذور
اور
شرک فی النّذور

www.MinhajBooks.com

توحید فی النّذور کا مفہوم

نذر و نیاز کے بارے میں درست اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور صرف اسی کے لئے جائز ہے۔ عرف عام میں اولیاء اللہ کے لئے نذر کا لفظ استعمال کئے جانے پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ ناجائز ہے۔ اس حوالے سے یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ اس سے مراد ان کے نام پر ہدیہ اور تحفہ پیش کرنا ہے جو کہ عبادت نہیں۔ بعض لوگ نذور اور ایصالِ ثواب کو آپس میں خلط ملط کرتے ہیں اور پھر ایصالِ ثواب کے جائز طریقوں کو بھی شرک اور ناجائز کہنے لگتے ہیں یہ تصور درست نہیں۔ ایصال ثواب ثابت شدہ شرعی طریقہ ہے کوئی چیز محض کسی بزرگ کی طرف منسوب کرنے سے حرام نہیں ہوتی جسے بعض لوگ غلط فہمی کی بنا پر ''مَا اُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ'' سے تعبیر کر کے اس کا غلط اطلاق دوسری چیزوں پر کرتے ہیں۔ اِهلال کا معنی ''منسوب کرنا'' کسی طرح بھی ثابت نہیں (اسکی تفصیلات اس آیت کے ذیل میں آگے الگ باب میں آ رہی ہے)۔ شرعی نذر اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے اور یہ شاملِ عبادت ہوتی ہے جبکہ اس کی نسبت اہل اللہ کی طرف کر دی جاتی ہے آپ منت مان کر کھانا پکائیں یا کچھ اور کریں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی نذر ہو گی جبکہ اس کا ایصالِ ثواب حضور نبی اکرم ﷺ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یا کسی اور بزرگ کی طرف منسوب کرنا امرِ جائز ہے۔ یہ عمل شرک تب ہو گا جب یہ کسی غیر کی خوشنودی کے لئے نذر مانی جائے۔

• شرک فی النذور

نذر صدقہ کے معنی میں استعمال ہوتی ہے اس میں عبادت، نیاز مندی، جھکنے اور غایتِ تعظیم کے معانی پائے جاتے ہیں۔ نذر کے بارے میں درست عقیدہ یہی ہے کہ یہ

اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور صرف اسی کے لئے ماننا جائز ہے۔ اس لئے نذر شرعی نہ تو کسی رسول اور نبی کے لئے جائز ہے اور نہ ہی اولیاء وصلحاء کے لئے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ انبیاء و اولیاء کے لئے جو نذر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ مجازی معنی میں ہوتا ہے حقیقی معنی میں نہیں۔ ان کے لئے جب نذر کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد نذر عرفی بمعنی ہدیہ، نذرانہ اور ایصالِ ثواب ہے جو انبیاء، اولیاء اور عام مسلمانوں کے لئے ہے اور یہ بہترین ہدیہ ہے۔ جس طرح قربانی، عبادت اور دعا، خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے اسی طرح ہم نذر اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی کے لئے مانتے ہیں جب کہ اس کا فائدہ **اطعام الطعام** اور صدقہ و خیرات کی صورت میں غریب، مسکین، محتاج، مفلس، یتیم اور بے سہارا افراد کو پہنچاتے ہیں۔ قربانی کی حقیقت کے بارے قرآن میں ارشاد فرمایا گیا:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰـكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ط(۱)

’’ہرگز نہ (تو) اللہ کو ان (قربانیوں) کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون مگر اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔‘‘

قربانی کے اندر تقویٰ اور اخلاص کی نیت مضمر ہوتی ہے اور وہی اس کی روح ہے جبکہ گوشت سے ناداروں اور غریبوں کو فائدہ پہنچایا جاتا ہے۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ نذر خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے ہے مگر اس کے ذریعے ثواب انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو پہنچایا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ اہلِ علم جب نذر کا لفظ استعمال کریں تو بہتر ہے کہ وہ اسے حقیقی معنی میں استعمال کریں۔ اگر وہ اس کو مجازی یا عرفی معنی میں استعمال کرنا چاہیں تو پھر درست عقیدے کی وضاحت بھی کر دیں تاکہ عوام میں کسی قسم کا مغالطہ اور عقیدے کا بگاڑ بوجہِ جہالت پیدا نہ ہونے پائے۔

(۱) الحج، ۲۲:۳۷

خیرات و صدقات اور عملِ صالح کی نذر ماننا شرک نہیں

کوئی عملِ صالح بطورِ نذر مانا جا سکتا ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ جب ایک مرتبہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما علیل ہوئے تو ان کے لئے بطورِ نذر روزے رکھے گئے اور حقداروں کو کھانا کھلایا گیا۔(۱)

یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ ہر عملِ صالح دوگونہ تعلق کا حامل ہے:

ایک تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس میں اس عمل کی نیت اور اس کے متعلق عقیدے کا اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہونا ہے۔

اس عمل کا دوسرا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے مثلاً مزاراتِ اولیاء پر اظہارِ تعظیم کے لئے چادر چڑھانا جو شعائر اللہ ہونے کے باعث تعظیماً جائز عمل ہے۔ صاحبِ مزار کے ساتھ یہ تعلق اس امر کا مظہر ہے کہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا حصول مقصود ہے کہ اللہ والوں کے مزارات کی تعظیم شعائر اللہ سمجھ کر حکمِ الٰہی کی تعمیل میں کی جاتی ہے۔

لہٰذا اگر کوئی گیارہویں شریف کی نذر مانتا ہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی گیارہویں دوں گا تو جان لیجئے کہ یہ صدقہ و خیرات ہی کی ایک صورت ہے۔ اس میں نیت کے ساتھ دعا ہو گی کہ مولیٰ کریم تیری رضا کے لئے یہ کھانا پکانا، قرآن پڑھنا پڑھانا تیرے حضور پیش کیا جاتا ہے اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرما اور اس عمل سے جو ثواب ملے اسے میں جملہ انبیاء علیھم السلام اور اولیاء کرام بشمول شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی ارواح کو بالخصوص پیش کرتا ہوں۔ پس اس دعا کے ساتھ ایصالِ ثواب کرنا شرک نہیں۔

اس پر مزید بحث ''وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ'' کے ضمن میں الگ باب میں ملاحظہ کیجئے۔

(۱) رازی، التفسیر الکبیر، ۳۰:۲۴۴

نذر میں شرک کا وقوع کب ہوتا ہے؟

نذر میں شرک تب ہو گا جب اس کا حق باری تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے ثابت کیا جائے جیسا کہ کفار و مشرکین اپنے بتوں اور معبودانِ باطلہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنے کھیتوں اور فصلوں کی پیداوار کا حصہ اسی طرح مقرر کرتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے اموال اور فصلوں میں زکوٰۃ و عشر کے حصے مقرر فرمانے کا حکم دیا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَاۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ○ (۱)

’’انہوں نے اللہ کے لئے انہی (چیزوں) میں سے ایک حصہ مقرر کر لیا ہے جنہیں اس نے کھیتی اور مویشیوں میں سے پیدا فرمایا ہے پھر اپنے گمانِ (باطل) سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے (خودساختہ) شریکوں کے لئے ہے۔ پھر جو (حصہ) ان کے شریکوں کے لئے ہے سو وہ اللہ تک نہیں پہنچتا اور جو (حصہ) اللہ کے لئے ہے تو وہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا ہے (وہ) کیا ہی برا فیصلہ کر رہے ہیں○‘‘

یاد رہے کہ مشرکین کا یہ عمل (شرک فی النذر) بتوں اور اپنے جھوٹے خداؤں کے لئے ہوتا تھا لیکن اگر یہی عمل بتوں کی بجائے کسی بزرگ ہستی کے لئے اسی عقیدے کے ساتھ روا رکھا جائے تبھی یہ عمل شرک ہو گا ورنہ نہیں بلکہ اس کے برعکس جب نذر اللہ کی مانی جائے مگر اس کا ثواب انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو پہنچایا جائے تو یہ ہرگز شرک نہیں کیونکہ اس سے مقصود اللہ رب العزت کی بخشش و عطا کا حصول ہے وہ اپنے بندوں پر انتہائی شفیق و مہربان ہے اس کے عفو و کرم کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا اور وہ اپنی مخلوق کے

(۱) الانعام، ۶:۱۳۶

لئے رحیم و کریم ہے۔ ربّ کائنات تو معمولی سے معمولی قربانی کو بھی رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ ایک دانہ کے بدلے میں سات سو دانے عطا فرماتا ہے۔ جب ایک عمل اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی نذر کرکے اس کا ثواب کسی کو پہنچایا جائے تو وہ ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی عطا کرے گا اور اسے بھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے احادیثِ مبارکہ میں جا بجا ایصالِ ثواب کی تلقین فرمائی۔

نیک عمل کا کسی کے نام انتساب

کوئی نیک عمل کر کے کسی کی روح کو ایصالِ ثواب کرنا یا اس کے نام سے منسوب کرنا یہ از روئے شرع جائز اور باعثِ ثواب عمل ہے۔ نذر و نیاز، صدقہ و خیرات اعمال خیر میں سے ہیں اور یہ خالصتاً اللہ کیلئے ہوتے ہیں مگر جس بزرگ، شیخ، دوست یا عزیز کیلئے ایصال ثواب کیا جائے اس کے نام منسوب کیے جاتے ہیں جو از روئے شرع جائز اور درست ہے۔

۱۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کی ماں کی طرف سے صدقہ کے لیے کنواں کھدوانے کو کہا۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَأَىُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْمَاءُ، قَالَ: فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ: هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ. (۱)

---

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب الزکاة، باب فی فضل سقی الماء، ۲: ۱۳۰، رقم: ۱۶۸۱

۲۔ نسائی، السنن، کتاب الوصايا، باب ذکر الاختلاف علی سفیان، ۶: ۲۵۴۔۲۵۵، رقم: (۳۶۶۲۔۳۶۶۶)

۳۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الأدب، باب فضل صدقة الماء، ۲: ۱۲۱۴، رقم: ۳۶۸۴

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۸۴، رقم: ۲۲۵۱۲

’’حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام سعد کا انتقال ہو گیا ہے، (ان کے ایصال ثواب کے لئے) کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پانی (پلانا) تو انہوں نے ایک کنواں کھدوا دیا اور کہا: یہ ام سعد کا کنواں ہے۔‘‘

۲۔ اسی طرح سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے کہ انہوں نے بصرہ کی ایک بستی **اُبُلَّہ** سے آئے ہوئے حاجیوں سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی شخص **مسجد عَشَّار** میں دو یا چار رکعت نفل نماز پڑھ کر میری طرف منسوب کرے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ صَالِحِ بْنِ دِرْهَمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُوْلُ: انْطَلَقْنَا حَاجِّيْنَ فَاِذَا رَجُلٌ فَقَالَ لَنَا اِلَى جَنْبِكُمْ قَرْيَةٌ يُقَالُ لَهَا الأُبُلَّةُ؟ فَقُلْنَا: نَعَمْ. قَالَ مَنْ يَضْمَنُ لِيْ مِنْكُمْ اَنْ يُصَلِّيَ لِيْ فِي مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ أَوْ اَرْبَعًا وَ يَقُوْلُ هَذِهِ لِأَبِيْ هُرَيْرَةَ: سَمِعْتُ خَلِيْلِيْ أَبَا الْقَاسِمِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ: إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ مِنْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُهَدَاءَ لَا يَقُوْمُ مَعَ شُهَدَاءِ بَدْرٍ غَيْرُهُمْ. (۱)

’’ابراہیم بن صالح بن درھم کا بیان ہے کہ میرے والد محترم نے فرمایا: ہم حج کرنے حرم کعبہ گئے تو ایک آدمی نے ہم سے دریافت کیا: کیا تمہارے علاقے میں ’’اُبُلّہ‘‘ نام کی کوئی بستی ہے؟ ہم نے جواب دیا: ہاں۔ اُس نے کہا: تم میں سے کون ہے جو مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ ’’مسجد عشار‘‘ میں میرے لئے دو یا چار رکعتیں پڑھے اور کہے: ان رکعتوں کا ثواب ابوہریرہ کے لئے ہے۔ میں نے اپنے خلیل ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ

(۱) ۱۔ ابوداود، السنن، کتاب الملاحم، باب فی ذکر البصرۃ، ۴: ۱۱۳، رقم: ۴۳۰۸

۲۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۴۷۹، رقم: ۴۱۱۵

تعالیٰ قیامت کے دن مسجد عشار سے ایسے شہیدوں کو اٹھائے گا کہ شہدائے بدر کے سوا کوئی ان کے ساتھ کھڑا نہ ہوگا۔‘‘

ان روایات سے دو باتوں کا واضح ثبوت فراہم ہوا:

۱۔ غیر کے ایصالِ ثواب کیلئے صدقہ و خیرات اور نفل نماز جائز ہے۔

۲۔ کسی نیک عمل کو برائے ایصال ثواب غیر کی طرف منسوب کرنا جائز ہے۔

مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب ’’ایصالِ ثواب کی شرعی حیثیت‘‘ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

مطلقاً تقرب اِلی الغیر شرک نہیں ہے

یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ کفر و شرک کا مدار عبادت کے اعتقاد پر ہے۔ اس کے بغیر عقیدۃً وعملاً شرک واقع نہیں ہوسکتا اگر عملِ ذبح فی نفسہٖ تقرّب إلی الغیر کی نیت سے ہو تو یہ عبادت بن جائے گا اور داخلِ شرک ہوگا۔ اس اعتقاد کی نہ اجازت ہے اور نہ کوئی کلمہ گو مسلمان اس عقیدے کا حامل ہے۔

ائمہ حدیث و تفسیر کی آراء سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ذبیحہ کی حرمت کا بنیادی سبب اُس تقرّب کو قرار دیا گیا ہے جو تقرّب بذریعہ عبادت ہو جبکہ مطلق تقرب إلی الغیر شرک نہیں۔ اگر مطلقاً تقرّب الی الغیر کو شرک کہا جائے تو پھر تمام ذوی القربیٰ اللہ تعالیٰ کے شریک قرار پاتے ہیں۔ ان کو ذوی القربیٰ اِسی لئے کہا گیا ہے کہ ان سے قرابت کا تعلق ہوتا ہے اور ہر شخص کو اس قرابت کے برقرار رکھنے کا حکم ہے۔ مطلق تقرّب إلی الغیر کو شرک سمجھ لیا جائے تو حضور نبی اکرم ﷺ کے ایسے تمام احکام باطل اور ساقط قرار پائیں گے جن میں مودت فی القربیٰ کے لئے ترغیبات وارد ہوئی ہیں نیز وہ آیات جن میں حضور ﷺ کے اقرباء سے محبت و مودت کا حکم موجود ہے مثلاً ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ط(۱)

(۱) الشوریٰ، ۴۲:۲۳

’’فرما دیجئے: میں اِس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر (اپنی اور اللہ کی) قرابت و قربت سے محبت (چاہتا ہوں)۔‘‘

اِس لئے ماننا پڑے گا کہ مطلقاً تقرّب إلی الغیر شرک نہیں بلکہ ایسا تقرب شرک ہے جو بطورِ عبادت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے اُمت نے مسلمانوں سے متعلق ایسے معاملات میں بدگمانی سے منع کیا ہے، صاحبِ درالمختار فرماتے ہیں:

إنا لا نسيئ الظنَّ بالمسلم أنه يتقرب إلی الآدمی بهذا النحر. (۱)

’’ہم کسی مسلمان کے بارے میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اِس فعل ذبح کے ذریعہ کسی شخص کا تقرب (بطورِ عبادت) چاہتا ہے۔‘‘

علامہ ابنِ عابدین الشامیؒ نے علامہ حصکفیؒ کی اسی عبارت (**أنه يتقرب إلی الآدمی**) کی شرح کرتے ہوئے تقرب کو بطورِ عبادت تصریحاً کفر بیان کیا ہے:

أی علی وجه العبادة لأنه المکفر وهذا بعيد من حال المسلم. (۲)

’’یعنی (کسی بھی انسان کا تقرب جو) بطورِ عبادت ہو (وہ کفر ہوتا ہے) کیونکہ وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے اور یہ مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے۔‘‘

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جو لوگ مطلقاً تقرب اِلی اللہ کے لئے وسیلہ اور ذریعہ کی بھی نفی ثابت کرتے ہیں وہ درست نہیں کیونکہ کفار اپنے ان بتوں کو فقط ’’تقرب اِلی اللہ‘‘ کا ذریعہ نہیں مانتے تھے بلکہ ان کے آگے سربسجود ہوتے، انہیں معبود سمجھ کر ان کی پوجا بھی کرتے اور ان کے لئے جانوروں کا نذرانہ بھی عبادت کی نیت سے پیش کرتے جیسا کہ آیتِ کریمہ کے الفاظ ’مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللهِ زُلْفٰى ط(۳) ’’ہم اُن کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرّب بنا دیں۔‘‘ سے عیاں ہے۔

اس کے برعکس کوئی ادنیٰ مؤمن بھی انبیاء اور اولیاء کو معبود سمجھتے ہوئے انہیں

(۱) حصکفی، الدرالمختار، ۶: ۳۱۰

(۲) ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، ۶: ۳۱۰

(۳) الزمر، ۳۹: ۳

وسیلہ اور ذریعہ نہیں بناتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ادنیٰ ترین غلام بھی آپ ﷺ کے عبد اور عابد ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے نہ کے معبود ہونے کا۔ یہی وہ بنیادی عقیدہ ہے جو ایک مؤمن وکافر، توحید پرست و بت پرست اور موحد و مشرک کے درمیان واضح حدِ فاصل قائم کرتا ہے۔ اسی نکتۂ آغاز سے سے دو راہیں نکلتی ہیں ایک صراط إلی اللہ اور دخول فی الجنۃ کا باعث بنتی ہے اور دوسری طریق إلی الشیطان اور دخول فی النار کا سبب قرار پاتی ہے۔ ان دو بالکل ہی مختلف راہوں پر چلنے والوں کو ایک ہی راہ کا مسافر سمجھنا ہرگز درست نہیں۔ کفار کے اس خود ساختہ تصور اور باطل نظریے کا قرآن نے بطلان فرمادیا ہے کہ اگر وہ اصنام و اوثان کو محض سفارشی سمجھتے ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف قربت و نزدیکی کا ذریعہ گردانتے تو پھر معبودِ حقیقی پر اپنے بتوں کو ترجیح نہ دیتے اور نہ اپنے بتوں کی گالی کا بدلہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی ارفع و اعلیٰ شان میں دشنام طرازی سے لیتے اگر کفار و مشرکین کو اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی لگاؤ اور پیار تھا تو بندوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منع کیوں کرتے تھے؟ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ۝(۱)

’’کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے ۝ (اللہ کے) بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے ۝‘‘

اسی طرح اگر کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ ہی کو مستقل مؤثر و مدبر اور متصرفِ حقیقی سمجھتے تھے تو انہوں نے یہ کیوں کہا؟

وَمَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ج(۲)

’’اور ہمیں زمانے کے (حالات و واقعات کے) سوا کوئی ہلاک نہیں کرتا۔‘‘

لہٰذا ’’شُفَعَاءُنَا عِنْدَ اللهِ اور یُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللهِ زُلْفٰی‘‘ کی بنیاد پر جمہور امت پر شرک کا فتویٰ صادر کرنا جہالت اور زیادتی ہے۔ ان آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کفار و

(۱) العلق، ۹۶: ۹۔۱۰

(۲) الجاثیۃ، ۴۵: ۲۴

مشرکین اپنے بتوں کو معبود سمجھتے تھے، ان کے لئے عبادت کی نیت سے نذر پیش کرتے تھے۔ چونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء و رسل ہدایت کا وسیلہ و واسطہ اور ذریعہ ہیں اور روزِ قیامت شفیع ہوں گے لہٰذا جب ہم اپنے معبودوں کے لئے شفیع اور قرب جیسے الفاظ استعمال کریں گے تو شاید مسلمان ان کے بارے میں نرم گوشہ اختیار کریں۔ پس قرآن حکیم نے واضح طور پر بتا دیا کہ ایک جائز دلیل کو بنیاد بنا کر کسی بت کو قربت کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اُس کی پوجا پاٹ شروع کر دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ کفار کا یہ عمل صراحتاً شرک ہے۔ ان کی اس روشِ بد کا قیاس، ایمان والوں کی انبیاء و اولیاء سے پاکیزہ عقیدت و محبت اور انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش، شفاعت یا استعانت کا ذریعہ بنانے پر نہیں کیا جا سکتا لہٰذا ایک مؤمن اور کافر کے درمیان اس بنیادی فرق کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھنا چاہیے تاکہ ایمان و کفر اور توحید و شرک کے درمیان تمیز اور فاصلہ قائم رہے۔

ذبیحہ کے ذریعے ایصالِ ثواب کا تصور

ہمارے ہاں جو جانور بھی ذبح کئے جاتے ہیں خواہ وہ صدقات و خیرات کی غرض سے ہوں، ولیمہ و عقیقہ کی غرض سے یا عام دعوت و اطعام کی غرض سے، شادی اور اجتماع کا موقع ہو یا عید، عرس اور میلاد کا، کبھی بھی عملِ ذبح جسے اهراق الدم یعنی خون بہانے کا عمل کہتے ہیں تقرّب إلی الغیر کی نیت سے نہیں کیا جاتا۔ عملِ ذبح ہمیشہ خالصۃً لِوَجهِ الله یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور عبادةً لِلّٰه یعنی اللہ کی عبادت کے لئے ہوتا ہے اور بإسم الله یعنی اللہ کے نام پر ہوتا ہے یہی عملِ ذبح اور إهلال کہلاتا ہے اور یہی عبادت بنتا ہے، اس میں کسی غیر کو شریک کرلیں یا اسے غیر کے تقرب کے لئے مخصوص کر دیں تو شرک ہو جائے گا۔ اگر اس میں توحید اور خالصیت برقرار رہی تو قبل ازاں یا بعد ازاں اس کا مقصد و مصرف جو بھی تھا وہ شرک نہیں بن سکتا۔ مثلاً کسی نے جانور اپنی شادی اور ولیمہ کے لئے خریدے تھے، کسی نے احباب اور اقارب کی دعوت اور مہمانداری کے لئے، کسی نے اپنے بیٹے کے عقیقہ کے لئے، کسی نے حضور نبی اکرم ﷺ کے طعامِ میلاد کے لئے اور کسی نے

اولیاء و صالحین کے ختم اور عرس کے لئے تو ان میں سے کوئی سبب بھی مانعِ توحید اور باعثِ شرک نہیں ہے۔ جس نے بھی اطعامِ طعام یعنی کھانا کھلانے میں اعتقادِ سنتِ نبوی ﷺ کا رکھا، اسے بھی ثواب حاصل ہوگا اور جس نے صدقہ و خیرات کا رکھا اسے بھی ثواب حاصل ہوگا، اب یہ اس کی مرضی ہے چاہے ثواب اپنے لئے رکھے یا اولیاء و صالحین کے لئے ہدیہ وتحفہ کر دے یا حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کے لئے اس ثواب کے ہدیہ وتحفہ کرنے کو **ایصالِ ثواب** کہتے ہیں۔

ایصالِ ثواب کی دعا اور درخواست بھی اللہ تعالیٰ ہی سے کی جاتی ہے۔ کہ ''یااللہ اِس کا ثواب فلاں بزرگ کی روح کو میری طرف سے ہدیۃً عطا فرما دے''۔ اس لئے اس میں شرک کا شائبہ پیدا کرنا سوائے لاعلمی اور جہالت کے کچھ نہیں ہے کیونکہ یہ عمل کثرت کے ساتھ احادیثِ نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔ ایصالِ ثواب میں نہ کسی غیر کی عبادت کا شائبہ و امکان ہے، نہ غیر کے لئے ذبحِ مطلق ہے، نہ ذبحِ تقرب ہے اور نہ ذبحِ تعظیم۔ ہاں اگر ایصالِ ثواب میں آرزوئے قرب ہو تو اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے۔ کیونکہ مطلقاً صالحین کی محبت، اُن کا قرب وصحبت اور ان کی زیارت و مجالست، یہ سب کچھ شریعت میں نہ صرف مطلوب اور مستحسن ہے بلکہ احادیثِ نبوی ﷺ میں انکا صریح حکم اور فضیلت وارد ہوئی ہے۔

جانور کی جان کا نذرانہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے

بعض لوگ اِس باب میں ایک اور مغالطہ پیدا کرتے ہیں کہ ذبح سے مقصود غیر اللہ کو گوشت پہنچانا نہیں ہوتا بلکہ غیر اللہ کو جانور کی جان پیش کرنا ہوتی ہے۔ ایسا کرنا عہدِ جاہلیت کے ساتھ مشابہ ہے کیونکہ کفار و مشرکین بھی اسی طرح بتوں کو جانوروں کی رُوح بھینٹ چڑھاتے تھے، چونکہ مسلمانوں کا ایصالِ ثواب بھی اِسی کے مشابہ ہے لہٰذا یہ شرک ہے؟ یہ ایک لغو اور بے حقیقت اعتراض ہے اور صریحاً غلط فہمی ہے۔

۱۔ اس لغو سوال کا جواب شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ یوں دیتے ہیں:

وکنه ایں مسئله آنست که جان را برائے غیر جان آفرین نثار کردن درست نیست۔ و ماکولات و مشروبات ودیگر اموال را نیز اگرچه از راهِ تقرب لِغیر الله دادن حرام و شرك است اما ثواب آں چیزها را که عائد بر دهنده مے شود از آن غیر ساختن جائز است۔ زیرا که ایشان را مے رسد که ثواب عمل خود را بغیر بخشند چنانچه مے رسد که مالِ خود را بغیر خود بدهد و جانِ جانور مملوك آدمی نیست تا او را بکسے تواند بخشید۔ و نیز دادن مال ازیں جهت مستوجب ثواب است که آدمیان بوئے منتفع مے شوند، وچوں مرده ها بعد از مفارقت ازیں جهاں قابل انتفاع بعین مال نمانده اند طریقِ نفع رسانیدن آنها در شرع چنین قرار یافت که ثواب اموال را بمتسحقان برسانند بآنها عائد سازند۔ و جانِ جانور اصلاً قابلِ انتفاع نیست در زندگی پس از مردگی نیز قابل انتفاع نباشد۔ آرے اضحیه از طرف مرده کردن در حدیث صحیح آمده است لیکن معینش همیں است که دادن جان برائے خدا و ثوابے که دارد بآں مرده بخشیده شود نه آنکه ذبح برائے مرده کرده آید۔[1]

’’اِس مسئلہ کی اصل حقیقت اور روح یہ ہے کہ جان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے لئے قربان کرنا درست نہیں ہے۔ کھانے پینے کی اشیاء اور دوسرے اموال کی نذر بھی اگرچہ تقرباً غیر اللہ کے لئے کرنا حرام اور شرک ہے لیکن اِن اشیاء

(۱) شاہ عبد العزیز، فتاویٰ عزیزی، ۱:۵۶

کے دینے پر ثواب غیر اللہ کو ارسال کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح کہ کسی شخص کے ذاتی عمل کا ثواب بغیر بخشے دوسروں کو نہیں ملتا، اسی طرح ذاتی مال میں سے کسی کو دیئے بغیر کوئی کسی کا مال نہیں پا سکتا تو جانور کی جان کا مالک تو اِنسان بھی نہیں ہے وہ اسے کسی دوسرے کو کیسے دے سکتا ہے؟ نیز مال اس نیت سے دینا کہ لوگ اِس سے نفع حاصل کریں باعثِ ثواب ہوتا ہے اور جب فوت شدہ لوگ مال سے نفع حاصل نہیں کر سکتے تو شریعت نے اُس مال کا ثواب ارسال کرنے کا طریقہ اور ذریعہ مقرر کیا ہے تاکہ مرحومین اُس مال سے نفع حاصل کریں۔ جانور کی جان دینے سے کسی شخص کو حقیقۃً جب حیاتِ دُنیوی میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو مرنے کے بعد کسی شخص کو جانور کی جان دینے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ تاہم فوت شدہ لوگوں کی طرف سے قربانی کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ لیکن اِس کا مطلب یہی ہے کہ جان اللہ جل جلالہٗ کے لئے دی جائے اور اُس عمل کا ثواب فوت شدہ لوگوں کو پہنچایا جائے۔ نہ یہ کہ ذبح اس فوت شدہ شخص کے لئے کیا جائے۔‘‘

مذکورہ بالا فتویٰ سے یہ بات عیاں ہوئی کہ مقربین و صالحین کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد اور مشہور کئے جاتے ہیں عقلاً، نقلاً و شرعاً حلال ہیں اور یہی صحیح عقیدہ ہے۔ اِس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ باطل ہے۔

۲۔ نذر اور ایصالِ ثواب کے باہمی تعلق کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ مزید واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ونذر اولیاء که برائے قضاء حوائج معمول و مرسوم است۔ اکثر فقہاء بحقیقت آں پے نبردہ اند و آنرا بر نذر خدا قیاس کردہ حکم مردود برآوردہ اند که اگر نذر بالاستقلال برائے آں ولی است باطل و اگر برائے خدا است و ذکر ولی برائے بیان مصرف است صحیح است۔

لیکن حقیقت ایں نذر آنست کہ اھداء ثواب اطعام و انفاق و بذل مال بروح میت کہ امریست مسنون و از روئے احادیث صحیحہ ثابت است۔ **مثل ما ورد فی الصحیحین من حال اُم سعد و غیرھا** دریں نظر مستلزم مے شود۔ پس حاصل ایں نذر آنست کہ آں نسبت مثلاً: **أھدأ ثواب ھذا القدر إلی روح فلان**۔ و ذکر ولی برائے تعین عمل منذور است نہ برائے مصرف و مصرف ایں نذر نزد ایشاں متوسلان آں ولی میباشد از اقارب و خدمۂ۔ **وھم طریقان و أمثال ذالک**۔ وھمین است مقصود نذر کنندگان بلا شبہ و **حکمہ: أنہ صحیح یجب الوفاء بہ لأنۂ قربۃ معتبرۃ فی الشرع**. آرے اگر آں ولی را حلالِ مشکلات بالاستقلال یا شفیع غالب اعتقاد مے کنند ایں عقیدہ او منجر شرك وفساد مے گردد۔ و لیکن ایں عقیدہ چیز دیگر است و نذر چیزے دیگر۔ (۱)

’’اولیاء اللہ و صالحین کے لئے جو نذر عوام میں مشہور و معروف اور معمول بہ ہے اکثر فقہاء اُس کی اصل حقیقت کو نہیں سمجھ سکے اور اُنہوں نے اس کو نذرِ باری تعالیٰ پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ نذر بالاستقلال اُس ولی کے لئے ہو تو باطل ہے اور اگر نذر اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور اللہ تعالیٰ کے ولی کا ذکر برائے مصرف کے ہو تو جائز ہے۔ لیکن اِس نذر کی اصل حقیقت یہ ہے کہ کھانے اور مال خرچ کرنے کے ثواب کا میت کو تحفہ بھیجنا سنت نبوی ﷺ ہے اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں حضرت اُمِ سعد رضی اللہ عنہ وغیرھا کے حوالے سے حدیث بیان ہوئی ہے، اس نذر میں بھی اِسی ثواب کا پہنچانا مستلزم ہے۔ لہٰذا اِس نذر کا حاصل و خلاصہ یہ ہے کہ اس میں یوں نسبت

(۱) شاہ عبد العزیز، فتاویٰ عزیزی، ۱: ۱۲۱۔۱۲۲

کرتے ہوئے کہا جاتا ہے: میں اِس مقدار کے ثواب کو فلاں رُوح کو ہدیہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے ولی کا ذکر نذر کے عمل کو متعین کرنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ برائے مصرف، کیونکہ اُس ولی اللہ کے متوسلین کے نزدیک اس نذر کا مصرف اس کے اقارب و خدام وغیرہ ہوتے ہیں۔ لوگ دونوں طریقوں پر ہیں اور اس کی مثالیں موجود ہیں۔ بلاشبہ نذر ماننے والوں کا یہی مقصود ہوتا ہے اور اِس نذر کا حکم یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور اِس نذر کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ شریعت میں معتبر قربت کی حیثیت ہے۔ البتہ اس ولی کے حقیقی مشکل کشا کا اعتقاد کرنا یا شفیع غالب کا اعتقاد کرنا غلط ہے اور یہ عقیدہ شرک وفساد کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ رکھنا اور چیز ہے جبکہ نذر اور چیز ہے۔''

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے اِس فتویٰ سے صلحاء و اولیاء کے نام کئے گئے جانوروں کی حرمت کی مندرجہ ذیل وجوہ عیاں ہوئیں:

۱۔ نذر ماننے والا صلحاء و اولیاء کی نذر بقصدِ عبادت کرے تب حرام یا شرک ہوگا ورنہ نہیں۔

۲۔ جانوروں کی جانوں اور رُوحوں کو اولیاء اللہ کی بھینٹ چڑھانے کی نیت سے کیا جائے تو شرک ہوگا ورنہ نہیں۔

۳۔ نذر ماننے والا صلحاء و اولیاء اللہ کے لئے مستقل بالذات متصرف یا نافع و ضار ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے ذبح کرے تو شرک ہوگا ورنہ نہیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کوئی بھی صحیح العقیدہ شخص بزرگانِ دین کے ایصالِ ثواب کے لئے نذر مانے ہوئے جانوروں کے ذبح میں مذکورہ بالا تینوں نیتوں یا عقیدوں میں سے کسی ایک کا بھی قصد نہیں کرتا بلکہ صرف اور صرف ایصالِ ثواب کی خاطر جانوروں کو انبیاء و اولیاء اور صالحین و مرحومین کے لئے منسوب کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً اور عبادۃً نذر اللہ تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے مگر اِس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جاتا ہے۔ اِس صورت میں نذر یوں مانی جاتی ہے۔

’’یا الٰہی اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں نذر مانتا ہوں کہ فلاں جانور تیری رضا کے لئے ذبح کروں گا اور اِس نذر کا ثواب فلاں بزرگ کی رُوح کو پیش کروں گا۔‘‘ ایسی نذر ماننا شرعاً ہر اعتبار سے جائز ہے اور اِس کے جواز میں کسی محدث، فقیہ اور مفسر کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لفظِ ’’نذر‘‘ کی تین جہات

حقیقت یہ ہے کہ لفظِ ’’نذر‘‘ کے استعمال کے تین معنی اور تین جہات ہیں:

۱۔ **ایک بطورعبادت وخیرات** یہ خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اس معنی میں نذر اور نیاز کبھی بھی غیر کی طرف منسوب نہیں کی جاتی۔

۲۔ **دوسری بطور ایصالِ ثواب** یہ اولیاء و صالحین اور مرحومین کے لئے ہوتی ہے اس معنی میں نذر اللہ تعالیٰ کے لئے ہو ہی نہیں سکتی یہ مخلوق اور مرحومین ہی کا حق ہے اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات سراسر ناجائز بلکہ کفر ہے۔

۳۔ **تیسری بطور اطعامِ طعام** اسے لنگر یا کھانا کہا جاسکتا ہے۔ یہ مہمانوں کے لئے ہے یا شرکاء و حاضرین اور فقراء و مساکین کے لئے۔ یہ کھانا فی نفسہٖ نہ تو اللہ تعالیٰ کو جاتا ہے اور نہ مرحومین کو۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نیتِ عبادت و تقرب اور بندگی و عاجزی بر بنائے تقویٰ کی جاتی ہے، اولیاء و صالحین اور مرحومین کو ہدیۂ ثواب جاتا ہے اور موجود و زندہ افراد کھانے سے مستفید ہوتے ہیں۔

نذر کے ہر معنی کی نسبت اور جہت بھی جدا ہے اور مصرف بھی جدا ہے لہٰذا اس فرق کو سمجھے بغیر جن علماء نے اس پر فتویٰ زنی کی ہے انہوں نے ناجائز طور پر خلطِ مبحث میں مسلمانوں کو اُلجھایا ہے اور امت میں انتشارِ فکری کا باعث بنے ہیں۔

نذر کو اولیاء کرام کی طرف مجازاً منسوب کرنا جائز ہے

نذر کو اولیاء کرام کی طرف ظاہراً اور مجازاً منسوب کرنا جائز ہے، اِس سلسلہ میں

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بذاتِ خود نقل کردہ دو واقعات درج ذیل ہیں۔

۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے والد گرامی شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ کی کرامات کے باب میں لکھتے ہیں:

حضرت ایشاں میفرمودند فرھاد بیگ را مشکلے پیش آمد۔ نذر کرد بار خدایا اگر ایں مشکل برآمد ایں قدر مبلغ حضرت ایشاں ھدیه برم، آن مشکل مندفع شود، وآں نذر از خاطر او رفت۔ بعد چندے اسپ او بیمار شد و نزدیک ھلاك رسید۔ بر سبب ایں امر مشرف شدم بدست یکے از خادمان گفته فرستادم که ایں بیماری بسبب عدم وفاءِ نذر است۔ اگر اسپ خود مے خواھی نذرے را که در فلاں محله التزام نمودۂ بفرست وے نادم شد وآں نذر فرستاد، ھماں ساعت اسپ او شفا یافت۔(۱)

”حضرت شاہ عبدالرحیمؒ بیان فرماتے ہیں کہ فرہاد بیگ کو کوئی مشکل پیش آئی۔ اس نے نذر مانی کہ اے بارِ الٰہ! اگر یہ مشکل حل ہوگئی تو میں اِس قدر ہدیہ حضرت شاہ صاحبؒ کے حضور پیش کروں گا۔ چنانچہ وہ مشکل حل ہوگئی مگر وہ نذر پوری کرنا بھول گیا۔ اِس کے کچھ عرصہ بعد اُس کا گھوڑا بیمار ہوگیا اور ہلاکت کے قریب آ پہنچا۔ میں اِس بیماری اور ہلاکت کے سبب پر آگاہ ہوا تو ایک خادم کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ یہ بیماری نذر پوری نہ کرنے کے باعث ہے۔ اگر گھوڑے کی خیریت چاہتے ہو تو فلاں نذر جسے فلاں مقام پر مانا تھا پوری کرو۔ وہ اپنے اِس فعل پر شرمندہ ہوا اور نذر ارسال کی، اُسی وقت اُس کا گھوڑا شفایاب ہوگیا۔“

(۱) شاہ ولی اللہ، انفاس العارفین:۵۳

اِس واقعہ سے یہ امر مترشح ہوا کہ مطلقاً کسی سے نفع و ضرر پہنچنے کا عقیدہ رکھنا یا محبۃً اور تعظیماً کسی کا قرب حاصل کرنے کی آرزو رکھنا شرک نہیں ہے اور نہ ہی مطلقاً تقرب لِغیر اللہ موجبِ شرک ہے۔ ساتھ ہی اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ اولیاء اور صلحاء کی طرف نذر کو مجازاً منسوب کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے والدِ گرامی حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ کے حالات میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

درقصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم اللّٰہ دیا رفتہ بودند، شب ہنگام بود در آں محل فرمودند: مخدوم ضیافت ما میکند چیزے خوردہ دید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد، و ملال بر یاران غالب آمد۔ آنگاہ زنے بیاید طبق برنج و شیرینی بر سر و گفت نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت ایں طعام پختہ با نشینندگان درگاہِ مخدوم اللّٰہ دیا رسانم۔ دریں وقت آمد ایفائے نذر کردم۔[۱]

"(میرے والد حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ) قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے۔ رات کے وقت اُس مقام پر انہوں نے کہا کہ مخدوم صاحب ہماری دعوت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھا کر جانا۔ (پھر حضرت صاحبؒ بیٹھ گئے) یہاں تک کہ آدمیوں کی آمد و رفت ختم ہوگئی۔ احباب اُکتا گئے۔ اُس وقت ایک عورت اپنے سر پر چاول اور شیرینی کا تھال لئے ہوئے آئی اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا شوہر آئے گا مخدوم اللہ دیا کی خانقاہ میں بیٹھنے والوں کو کھانا پہنچاؤں گی، وہ اِسی وقت آیا ہے لہٰذا میں نے اپنی نذر پوری کر دی ہے۔"

(۱) شاہ ولی اللہ، انفاس العارفین: ۴۴

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے درج بالا دونوں واقعات نقل کر کے اِس امر کی تصریح کی ہے کہ نذر باوجود اس کے کہ تقرّب إلی اللہ کے لئے ہوتی ہے مگر اسے اولیاء کرام کی طرف ظاہراً اور مجازاً بغیر عبادت کی نیت کئے منسوب کرنا جائز ہے۔

جمہور مسلمین اور کفار و مشرکین کا اعتقاد ایک جیسا نہیں

ایسے امور کہ جن کا اللہ تعالیٰ سے کوئی دوستی و محبت اور ولایت و تقرب والا علاقہ اور تعلق ہی نہ ہو تو ان پر انبیاء عظام اور اولیاء کرام کا قیاس کرنا سخت نادانی ہے۔

علامہ ملا علی قاری کفار و مشرکین اور مؤمنین کے درمیان اِس توسُّل و تقرّب میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لا يظن بأرباب العقول ولو كانوا كفارًا أن يعتقدوا أن الحجر ينفع و يضر بالذات. و إنما كانوا يعظمون الأحجار أو يعبدونها معللين بأن هؤلاءِ شفعاءنا عند الله و مقربونا إلى الله زلفى. فهم كانوا يمسحونها و يقبّلونها تسببا للنفع.

وإنما الفرق بيننا و بينهم: أنهم كانوا يفعلون الأشياء من تلقاء أنفسهم ما أنزل الله بها من سلطان بخلاف المسلمين. فإنهم يصلون إلى الكعبة بناء على ما أمر الله ويقبّلون الحجر بناء على متابعة رسول الله ﷺ. وإلا فلا فرق في حد الذات ولا نظرا العارف بالموجودات بين بيت و بيت و لا بين حجر و حجر. فسبحن من عظم ما شآء من مخلوقاته. من الأفراد الإنسانية لرسول الله ﷺ، و الحيوانية كناقة الله، و الجمادية كبيت الله، والمكانية كحرم الله، و الزمانية ليلة القدر و ساعة الجمعة. و خلق خواص الأشياء في مكتوباته و جعل التفاوت و التمايز بين

أجزاء أرضه و سماواته.[1]

''اربابِ عقل و دانش اگرچہ کفار ہی کیوں نہ ہوں ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ یہ عقیدہ رکھیں کہ پتھر بذاتِ خود نفع و نقصان دیتا ہے۔ مشرکین ان پتھروں اور بتوں کو تعظیم کرتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے تو صرف اس علت کے پیشِ نظر کہ یہ اللہ رب العزت کے ہاں ہمارے شفیع ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب تر کرنے والے ہیں۔ پس وہ ان کو نفع حاصل کرنے کے اسباب و ذرائع سمجھتے ہوئے ہاتھ لگاتے اور بوسے دیتے تھے۔

ہمارے اور کفار و مشرکین کے درمیان یہ فرق ہے کہ وہ ان اشیاء کو اپنی طرف سے کرتے تھے۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل و حجت نازل نہیں فرمائی۔ اِس کے برعکس اہلِ ایمان (بذات خود کسی چیز کو معبود و مسجود بناتے ہیں اور نہ مستحقِ عزت و تکریم سمجھتے ہیں بلکہ وہ) کعبۃ اللہ کی طرف نماز میں رخ کرتے ہیں تو حکمِ الٰہی کی بناء پر اور حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہیں تو متابعتِ رسولِ محتشم ﷺ کی بناء پر۔ بصورتِ دیگر فی نفسہٖ بھی اور موجودات کے ساتھ صحیح عرفان رکھنے والے کی نظر میں بھی ایک مکان کا دوسرے مکان کے ساتھ اور ایک پتھر کا دوسرے پتھر کے ساتھ کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوقات میں سے جس کو چاہا عزت و عظمت و بزرگی عطا فرمائی۔ افرادِ انسانی میں سے جیسے حضور ﷺ کو اور افرادِ حیوانی میں سے جیسے ناقۃ اللہ (یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو) اور افرادِ جمادات میں سے کعبۃ اللہ کو اور مکانات کے افراد میں سے حرم اللہ کو اور زمانہ کے اجزاء میں سے جیسے لیلۃ القدر اور ساعۃ جمعہ۔ اور اس نے اپنے مکتوبات میں خواصِ اشیاء کو تخلیق فرمایا اور زمینوں اور آسمانوں کے اجزاء میں باہمی تفاوت اور فرق و امتیاز پیدا کیا۔''

اِس عبارت سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ کفار و مشرکین اپنے طور پر خود بخود

(۱) ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ۵:۵۳۲

اصنام و احجار کو قرب کا ذریعہ سمجھتے تھے اور بذاتِ خود ان کو سفارشی اور شفیع اعتقاد کرتے تھے اور پھر ان کی عبادت بھی کرتے تھے جبکہ اہلِ ایمان ماسوا اللہ کی عبادت کو نہ صرف حرام بلکہ کفر و شرک سمجھتے ہیں اور اپنے طور پر بھی کسی کو سفارشی و شفیع اور واسطہ و وسیلہ نہیں قرار دیتے جب تک کہ اللہ رب العزت و رسول ﷺ کی طرف سے کوئی سند اور دلیل و حجت موجود نہ ہو۔ اِس لئے جمہور مسلمین اور کفار و مشرکین کو ایک جیسا سمجھنا سراسر جہالت و گمراہی ہے۔ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ جن ذواتِ مقدسہ کو خالقِ کائنات نے منصبِ شفاعت و سفارش عطا فرمایا ہے انہیں شفیع و واسطہ نہ ماننا کفر ہے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا انہیں اپنے طور پر بلا دلیل شرعی شفیع فرض کر لینا حرام اور پھر اِن کی پوجا پاٹ کرنا کفر ہے۔

۱۔ قرآن حکیم میں شفاعت بالجبر اور شفاعت بالقہر کی نفی کی گئی ہے۔

۲۔ قرآن حکیم میں شفاعت بالاذن کا اثبات کیا گیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل عظام علیھم السلام کی شفاعت بالدعاء و الالتجاء کی نفی نہیں فرمائی بلکہ جبر و قہر اور زبردستی پر مبنی شفاعت کی نفی فرمائی ہے۔

کفار و مشرکین اپنے معبودانِ باطلہ کے بارے میں بزعمِ خویش یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اپنی من مانی کاروائی کرا لیں گے اور (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ ان کے سامنے مجبور ہو کر ان کی بات مان لے گا۔ کفار و مشرکین شفاعت کے حصول کا ذریعہ عبادت کو قرار دیتے ہیں جب کہ اہلِ اسلام اس کو کفر گردانتے ہیں۔ اصنام و اوثان کو نہ سلام کرنا جائز ہے نہ ان کا ادب و احترام جائز ہے اور نہ ان کی اتباع و اطاعت چہ جائیکہ عبادت کی جائے۔ جب کہ انبیاء و اولیاء کا ادب و احترام اور تعظیم و تکریم لازم، ان کی اتباع و اطاعت لازم۔ ان کی تعظیم و توقیر اور اتباع و اطاعت اللہ تعالیٰ کے ہاں قربت و وصل کا معتبر، معتمد، مستند اور مقبول ذریعہ ہونے کے ساتھ ایمان کی کامل ضمانت بھی ہے۔

اہلِ ایمان اور کفار و مشرکین کے اعتقاد و اعمال میں فرق

قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان کے عقیدہ صحیحہ اور

کفار و مشرکین کے باطل اعتقاد میں واضح فرق ہے پس جو لوگ اپنی کم علمی اور کج فہمی کی وجہ سے اہلِ اسلام کے صالح اعمال و اعتقاد کو کفار و مشرکین کے باطل اعتقاد پر قیاس کر کے فتویٰ صادر کرتے ہیں وہ خود سخت گمراہی کے مرتکب ہیں۔ اہلِ ایمان اور کفار و مشرکین کے اعتقاد و اعمال میں واضح اور بیّن فرق مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ کفار و مشرکین اصنام و اوثان اور صور و تماثیل کے بارے میں ایسے اختیارات و تصرفات مانتے تھے جو نہ ان کو اللہ ﷻ نے عطا فرمائے اور نہ ہی وہ بت اس اہل تھے۔

۲۔ کفار و مشرکین نے اپنے بتوں میں الوھیتِ خداوندی کا اقرار کیا حالانکہ انہیں ''الوھیت'' خداوندی عطا ہو ہی نہیں سکتی اور نہ ہی وہ قدرت خداوندی کے عطاء و ایجاد کے لائق ہے۔ ماسویٰ اللہ کو شریک تسلیم کرنا اور الٰہ بنانا ممتنعات میں ہے اور وہ متعلقاتِ قدرت میں سے نہیں ہیں۔

۳۔ کفار و مشرکین نے اپنے معبودانِ باطلہ کو دنیوی وزراء، امراء اور گورنروں پر قیاس کیا جو اپنے دائرہ کار میں خود بخود متصرف و مدبر ہوتے ہیں اور حاکم اعلیٰ ان کے تصرفات اور تدبیرات میں رکاوٹ نہیں بنتا جب کہ اللہ ﷻ ہر ہر امر میں خود مؤثر حقیقی اور مدبر حقیقی ہے مثلاً ملک الموت قبض روحوں میں سبب اور واسطہ ہے خالقِ موت خود اللہ ﷻ ہے۔ ہدایتِ خلائق میں انبیاء و اولیاء سبب اور واسطہ ہیں مؤثر حقیقی اللہ ﷻ ہے۔

۴۔ کفار و مشرکین نے اللہ جل شانہ کو تدبیرِ کائنات میں ان معبودانِ باطلہ کا محتاج سمجھا اور اکیلے و تنہا تدبیر و تصرف میں قاصر جانا۔

۵۔ کفار و مشرکین نے بزعمِ خویش باطل تدبیر و تصرف کی وجہ سے بتوں کو لائقِ عبادت سمجھا حالانکہ عبادت کمالاتِ ذاتیہ کی متقاضی ہے۔ عطائی کمالات، اتباع و اطاعت کا دار و مدار ہو سکتے ہیں لیکن عبادت کا کسی بھی درجے میں تصور نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ کفار و مشرکین نے اپنے معبودانِ باطلہ کو الوھیتِ خداوندی کا درجہ دے دیا اور اللہ

تعالیٰ کے مبعوث کیے گئے انبیاء و رسل عظام علیہم السلام کو رسول و نبی ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے بلکہ ان کی ایذاء رسانی اور توہین و تحقیر میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

۷۔ کفار نے انبیاء و رسل عظام علیہم السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت اور تحلیل و تحریم میں ان کی اتباع و اطاعت کی بجائے مخالفینِ اسلام رؤسا کی اطاعت اور اقتداء کو ترجیح دے کر انبیاء و رسلِ عظام کو (معاذ اللہ) قتل تک کیا۔

بحمدہٖ تعالیٰ اہلِ ایمان ان تمام کفریات اور شرکیہ عادات و رذائل سے محفوظ و مامون ہیں۔ اس لئے کسی بھی صورت ایک کلمہ گو مسلمان و مؤمن کو ایک کافر و مشرک کے ساتھ ملاتے ہوئے ہرگز ایک جیسا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جو بھی ان دلائلِ قاطعہ کے ہونے کے باوجود ایسا کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی ذہنی خباثت اور بدبختی و شقاوت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

www.MinhajBooks.com

فصل سوم

توحید فی الحلف

اور

شرک فی الحلف

www.MinhajBooks.com

توحید فی الحلف کا معنی و مفہوم

توحید فی التحریم کی تیسری قسم توحید فی الحلف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شرعی حلف صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر اٹھایا جا سکتا ہے۔ غیر اللہ کے نام پر نہیں۔ شرعی حلف سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام پر مستقبل میں کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم اٹھانا ہے جس کو توڑنے کی صورت میں کفارہ لازم ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ حضور علیہ السلام کا حلف غیر اللہ کا حلف تصور نہیں ہوگا اسی طرح قرآن مجید پر اللہ تعالیٰ کا حلف ہو سکتا ہے کیونکہ یہ کلامِ الٰہی ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص کسی اور کے نام کا حلف اٹھائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اس کی حرمت اور حیثیت اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلف کی ہوتی ہے تو یہ عقیدہ رکھنا درست نہیں ہوگا۔ زمانہ جاہلیت میں کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا کثرت سے اپنے آباؤ اجداد اور معبودانِ باطلہ لات و عزیٰ وغیرہ کی قسم کھایا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام میں دورِ جاہلیت کی اس چیز کی سخت ممانعت فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ عُمَرَ، يَقُوْلُ: قَالَ لِي رَسُوْلُ اللهِ صلی الله عليه وآله وسلم: اِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِاٰبَائِكُمْ. قَالَ عُمَرُ: فَوَاللهِ! مَا حَلَفْتُ بِهَا مُنْذُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی الله عليه وآله وسلم ذَاكِرًا وَلَا اٰثِرًا.(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأیمان والنذور، باب لا تحلفوا بآبائکم، ۶: ۲۴۴۹، رقم: ۶۲۷۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأیمان، باب النھی عن الحلف بغیر اللہ، ۳: ۱۲۶۶، رقم: ۱۶۴۶

۳۔ نسائی، کتاب الأیمان والنذور، باب الحلف بالآباء، ۷: ۴، رقم: ۳۷۶۷

’’میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں آباؤ اجداد کی قسم اٹھانے سے منع فرماتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ رب العزت کی قسم! جب سے میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے کبھی بھی قصداً یا سہواً ایسی قسم نہیں کھائی۔‘‘

صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ کی ایک اور روایت میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَحْلِفُوْا بِالطَّوَاغِي وَلَا بِآبَائِكُمْ.(۱)

’’نہ تم بتوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنے آباؤ اجداد کی۔‘‘

• شرک فی الحلف

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہی اس لائق ہے کہ اس کے نام کی قسم کھائی جائے اصنام اور معبودانِ باطلہ کی قسم اٹھانا شرک فی الحلف ہے جو اپنے پرستاروں سمیت دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے ان کے نام کی قسم اٹھانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلافی کیلئے دوبارہ کلمہ پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى فَلْيَقُلْ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ.(۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأیمان، باب من حلف باللات والعزیٰ فلیقل لا إلٰه إلا الله، ۳:۱۲۶۸، رقم: ۱۶۴۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الکفارات، باب النهی أن یحلف بغیر الله، رقم: ۲۰۹۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأیمان والنذور، باب لا یحلف باللات والعزیٰ ولا بالطواغیت، ۶:۲۴۵۰، رقم: ۶۲۷۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأیمان، باب من حلف باللات والعزیٰ فلیقل لا إله إلا الله، ۳:۱۲۶۷، رقم: ۱۶۴۷

’’جس نے قسم کھائی اور اپنی قسم میں لات وعزیٰ کہا تو اسے چاہیے کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کہے۔‘‘

پس معلوم ہوا کہ اعتقاداً غیر اللہ کے نام پر قسم کی حرمت کو اللہ تعالیٰ کی قسم کے مانند جاننا شرک ہے لیکن اگر کوئی شخص بوجہ جہالت یا سہواً کسی اور کی قسم اٹھائے تو اسے چاہیے کہ توبہ استغفار کرے اللہ تعالیٰ اس کے اس گناہ کی تلافی فرما دے گا چونکہ غیر اللہ کا حلف شرعی حلف نہیں اس لئے اس پر کفارہ لازم نہیں آتا۔

قرآن اور تعظیمی قسمیں

قرآن حکیم میں جہاں بعض اشیاء اور بعض اماکن وغیرہ کی قسمیں کھائی گئیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضور ﷺ کی حیاتِ مقدسہ اور آپ ﷺ کے جسمِ اطہر کے بعض اعضاء کی بھی قسمیں کھائیں ہیں، یہ قسمیں حضور ﷺ کی عظمت وفضیلت بیان کرنے کے لئے کھائی گئیں۔ ذیل میں ایسی آیات کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ نورِ محمدی ﷺ کی قسم

اللہ رب العزت نے حضور اکرم ﷺ کو روشن ستارہ کہہ کر قسم اٹھائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰیo[1]

’’قسم ہے روشن ستارے (محمد ﷺ) کی جب وہ (چشمِ زدن میں شبِ معراج اوپر جاکر) نیچے اترےo‘‘

یہاں النجم سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کی نورانی ذات ہے۔

......۳۔ ترمذی، السنن، کتاب النذور والأیمان عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی کراهية الحلف بغير ملة الإسلام، ۴:۱۱۶، رقم: ۱۵۴۵

(۱) النجم، ۵۳:۱

علامہ قرطبی نے امام جعفر الصادق سے النجم کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

عن جعفر بن محمد بن علي بن الحسين رضی الله عنه: وَالنَّجْمِ: يعنی محمدا صلی الله عليه وآله وسلم (اِذَا هَوٰی)، إذا نزل من السماء ليلة المعراج.(۱)

’’حضرت امام جعفر الصادق سے مروی ہے کہ النجم سے مراد سیدنا محمد صلی الله علیہ وآلہ وسلم اور اِذَا ھَوٰی کا مطلب ہے کہ جب آپ صلی الله علیہ وآلہ وسلم شبِ معراج آسمان سے نیچے تشریف لائے۔‘‘

علامہ آلوسیؒ نے بھی امام جعفر الصادق کا درج ذیل قول نقل کیا ہے:

و قال جعفر الصادق رضی الله عنه: ’’النجم‘‘ هو النبي صلی الله عليه وآله وسلم، و هويه: نزوله من السماء ليلة المعراج.(۲)

’’النجم سے ذاتِ مصطفیٰ صلی الله علیہ وآلہ وسلم اور ھوی سے آپ صلی الله علیہ وآلہ وسلم کا معراج سے واپس تشریف لانا مراد ہے۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم صلی الله علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر کی قسم

معروف مفسر امام عبدالرحمٰن السلمی نے النجم سے مراد حضور نبی اکرم صلی الله علیہ وآلہ وسلم کا قلبِ اطہر لیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

عن جعفر بن محمد فی قوله: ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی﴾ (وَالنَّجْمِ) قلب محمد صلی الله عليه وآله وسلم.(۳)

’’حضرت امام جعفر صادق، اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ النجم سے مراد قلبِ محمد صلی الله علیہ وآلہ وسلم ہے۔‘‘

(۱) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۷:۸۳

(۲) آلوسی، روح المعانی، ۲۷:۴۵

(۳) ابوعبدالرحمن السلمی، حقائق التفسیر، ۲: ۲۸۳

۳۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی قسم

۱۔ سورۃ الطارق میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ○ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الطَّارِقُ○ النَّجْمُ الثَّاقِبُ○[۱]

’’آسمان (کی فضائے بسیط اور خلائے عظیم) کی قَسم اور رات کو (نظر) آنے والے کی قَسم○ اور آپ کو کیا معلوم کہ رات کو (نظر) آنے والا کیا ہے○ (اس سے مراد) ہر وہ آسمانی کرّہ ہے (خواہ وہ ستارہ ہو یا سیارہ یا اَجرامِ سماوی کا کوئی اور کرّہ) جو چمک کر (فضا کو) روشن کر دیتا ہے○‘‘

قاضی عیاض مالکیؒ نے ’’الشفاء‘‘ میں ”النجم الثاقب“ سے مراد ذاتِ محمدی ﷺ بھی لی ہے، جس نے سراجاً منیرًا کی شان کے ساتھ آسمانِ رسالت پر چمک کر ظلمت بھری کائنات کو نورِ ایمان سے روشن کر دیا ہے۔

۲۔ سورۃ الفجر میں ارشاد ہوتا ہے:

وَالْفَجْرِ○[۲]

’’اس صبح کی قَسم (جس سے ظلمتِ شب چھٹ گئی)○‘‘

اس سے مراد سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی بھی ہے جن کی بعثت سے کفر وشرک اور جہالت کی شبِ ظلمت کا خاتمہ ہوا اور صبحِ ایمان پھوٹی۔ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں امام ابنِ عطا فرماتے ہیں:

الفجر محمد ﷺ لأن منه تفجر الإيمان.[۳]

’’الفجر سے مراد محمد ﷺ ہیں کیوں کہ آپ ﷺ سے ہی ایمان کے چشمے

(۱) الطارق، ۸۶: ۱۔۳

(۲) الفجر، ۸۹: ۱

(۳) الشفاء، ۱: ۲۲

پھوٹتے ہیں۔‘‘

قرآن مختلف انداز میں کبھی تمثیل و تشبیہہ سے کبھی رمز و اشارہ سے کبھی کنایہ و مجاز سے اور کبھی صراحت و وضاحت سے حضور ﷺ کے حسنِ سراپا اور نورِ مجسم کا ذکر کرتا ہے تاکہ آپ ﷺ کی شخصی عظمت کا پہلو خوب اجاگر ہو۔

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی قسم

قرآن مجید میں خالقِ کائنات نے اپنے حبیب ﷺ کی عمرِ مبارک کی قسم بھی کھائی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

لَعَمْرُکَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَo(۱)

’’(اے حبیبِ مکرّم!) آپ کی عمرِ مبارک کی قَسم، بیشک یہ لوگ (بھی قومِ لوط کی طرح) اپنی بدمستی میں سرگرداں پھر رہے ہیںo‘‘

تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ رفعتِ ذکر اور شرفِ رفیع کے پیشِ نظر اللہ رب العزت نے اس آیتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کی پوری زندگی کی قسم کھائی ہے۔

۵۔ آپ ﷺ کے آباء و اجداد کی قسم

اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب سے اس قدر محبت ہے کہ ہر وہ چیز جسے حضور ﷺ سے نسبت ہو جاتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و منزلت کے باعث لائقِ قسم ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَo(۲)

’’(اے حبیبِ مکرّم! آپ کے) والد (آدم یا ابراہیم علیہما السلام) کی قَسم اور (ان کی) قَسم جن کی ولادت ہوئیo‘‘

(۱) الحجر، ۱۵:۷۲

(۲) البلد، ۹۰:۳

یہاں والد کے لفظ کا اطلاق حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے آباؤ اجداد میں سے کسی بھی پاک صلب پر کیا جاسکتا ہے، جس میں نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متمکن رہا۔ آیتِ کریمہ میں والد کے نام کا ذکر نہ کرنے میں یہ حکمت مضمر ہے کہ ہر والد کی نسبت مولود سے ہوتی ہے۔ جب تک اولاد نہ ہو والدیت متحقق نہیں ہوتی اس لئے قرآن مجید نے والد کے ذکر کے فوراً بعد ''وَمَا وَلَدَ'' کہہ کر اس عظیم المرتبت مولود کی قسم کھائی ہے جس کا تقدّس اس کے آباؤ اجداد کے لئے ایسے شرف و اعزاز کا باعث بنا کہ خود پروردگارِ عالم ان کی بھی قسم کھا رہا ہے۔ اس قسم میں والد کا عموم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ فیضانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک سب آباء لائق قسم ہوگئے ہیں۔

۶۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک جائے سکونت کی قسم

خدائے ذوالجلال نے قرآن مجید میں اس شہر کی بھی قسم کھائی ہے جس کی خاک کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پاؤں کے تلووں کو چھونے کا شرف حاصل ہوا، ارشاد ہوتا ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِo وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِo(۱)

''میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوںo (اے حبیبِ مکرّم!) اس لئے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیںo''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِo(۲)

''اور اس امن والے شہر (مکہ) کی قسمo''

(۱) البلد، ۹۰:۱۔۲

(۲) التین، ۹۵:۳

۷۔ چہرۂ انور اور گیسوئے عنبریں کی قسم

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اعضاء مبارکہ یعنی چہرۂ انور اور گیسوئے مبارک تک کی قسمیں اٹھائی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالضُّحٰیO وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰیO[1]

’’(اے حبیبِ مکرّم!) قَسم ہے چاشت (کی طرح آپ کے چہرۂ انور) کی (جس کی تابانی نے تاریک روحوں کو روشن کر دیا)O (اے حبیبِ مکرّم!) قَسم ہے سیاہ رات کی (طرح آپ کی زلفِ عنبریں کی) جب وہ (آپ کے رُخِ زیبا یا شانوں پر) چھا جائےO‘‘

یہاں تشبیہ کے پیرائے میں چاشت کی طرح چمکتے ہوئے چہرہ زیبا کا ذکر وَالضُّحٰی کہہ کر اور آپ ﷺ پر شانوں کو سیاہ رات کی طرح چھائی ہوئی زلفوں کا ذکر وَالَّیْلِ کہہ کر قسم اٹھائی ہے۔

۸۔ حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل شدہ کتاب کی قسم

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذکر یعنی قرآن حکیم کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حٰمٓO وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِO[2]

’’حا میم (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)O اس روشن کتاب کی قسمO‘‘

دوسرے مقام پر فرمایا:

(۱) الضحیٰ، ۹۳: ۱۔۲

(۲) الدخان، ۴۴: ۱۔۲

قٓ٥ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ٥[(۱)]

قٓ (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)٥ قسم ہے قرآنِ مجید کی٥"

قاضی عیاضؒ "الشفاء" میں آیتِ مذکورہ سے پہلے حرف "ق" کی شرح وتفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں "ق" سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کا قلبِ اطہر ہے جس پر قرآن نازل ہوا اور جو اپنی قوت و استقامت کے اعتبار سے بھی زیادہ مستحکم تھا جب یہ بارِ امانت پہاڑوں اور سمندروں نے اٹھانے سے انکار کر دیا تو حضور ﷺ کا قلبِ انور ہی تھا جسے بارگاہِ صمدیّت سے اس قدر قوت و طاقت عطا ہوئی تھی کہ تئیس سالہ مبارک حینِ حیات اس پر قرآن اتارا جاتا رہا لیکن کوئی بوجھ محسوس نہ ہوا بلکہ اس قرآن کی بدولت اسے بے پایاں قوت اور طمانیت کا خزینہ بنا دیا گیا۔ علامہ اسماعیل حقیؒ لکھتے ہیں:

قال إبن عطا: أقسم بقوة قلبِ حبيبه حيث تحمل الخطاب والمشاهدة و لم يوثر ذلک فيه لعلو حاله.[(۲)]

"ابن عطا فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے دل کی قوت کی قسم کھائی ہے جو عینِ حق کا مشاہدہ اور شرف تکلف حاصل کرنے کے باوجود غشی وغیرہ سے محفوظ رہا۔"

حلفِ تعظیمی جائز ہے

اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب ﷺ کی خاطر قسم کھائی۔ جب اللہ تعالیٰ خود قسم کھانے میں عار نہیں فرماتا تو وہ ہمیں کیسے منع کر سکتا ہے۔ اللہ رب العزت نے جب اپنی

(۱) ق، ۵۰:۱

(۲) اسماعیل حقی، روح البیان، ۹:۱۰۰

ذات کی قسم کھائی تو اپنے رب ہونے کی نسبت اپنے محبوب ﷺ کی طرف کی، ارشاد فرمایا:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ.[1]

’’پس (اے حبیب) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنا لیں۔‘‘

۱۔ لوح و قلم کی قسم

قرآن مجید میں لوح و قلم کی قسم کھاتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَo مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍo[2]

’’نون (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں) قلم کی قسم اور اُس (مضمون) کی قسم جو (فرشتے) لکھتے ہیںo (اے حبیبِ مکرّم!) آپ اپنے رب کے فضل سے (ہرگز) دیوانے نہیں ہیںo‘‘

اس طرح قسم اٹھانا، حلف فی الاکرام، حلف فی التعظیم، حلف فی المحبت کی ایک قِسم ہے جو جائز ہے۔

۲۔ مبارک راتوں کی قسم

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفجر میں ارشاد فرمایا:

وَلَیَالٍ عَشْرٍo وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِo وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِo هَلْ فِیْ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍo[3]

(۱) النساء، ۴:۶۵

(۲) القلم، ۶۸:۱۔۲

(۳) الفجر، ۸۹:۲۔۵

’’اور دس (مبارک) راتوں کی قَسم٭ اور جفت کی قَسم اور طاق کی قَسم٭ اور رات کی قسم جب گزر چلے (مراد ہر شب ہے یا بطورِ خاص شبِ مزدلفہ یا شبِ قدر)٭ بیشک ان میں عقلمند کے لئے بڑی قسم ہے٭‘‘

مذکورہ آیات مبارکہ میں وَلَيَالٍ عَشْرٍ سے مراد ماہِ رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں یا پہلے عشرہ محرّم کی راتیں ہیں یا اوّل عشرہ ذی الحجہ کی راتیں ہیں جو برکات و درجات سے معمور ہیں۔ جبکہ وَالشَّفْعِ سے مراد سال بھر کی عام جفت راتیں ہیں اور وَتْر سے مراد سال بھر کی برکت والی طاق راتیں ہیں، مثلاً شبِ معراج، شبِ برأت اور شبِ قدر وغیرہ جو پے در پے رجب، شعبان اور رمضان میں آتی ہیں۔

۳۔ جہاد کے گھوڑوں کی قسم

اللہ تعالیٰ نے غازیانِ اسلام کے گھوڑوں اور پتھروں پر دوڑتے ہوئے ان کی ٹاپوں سے پیدا ہونے والی چنگاریوں کی قسم اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا٭ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا٭ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا٭ (۱)

’’(میدانِ جہاد میں) تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی قَسم جو ہانپتے ہیں٭ پھر جو پتھروں پر سم مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں٭ پھر جو صبح ہوتے ہی (دشمن پر) اچانک حملہ کر ڈالتے ہیں٭‘‘

دیگر قرآنی قسمیں

مطالعۂ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے مختلف ذاتوں اور اشیاء کی قسمیں اٹھائیں۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات اس پر شاہد ہیں مثلاً:

(۱) العادیات، ۱۰۰: ۱۔۳

اللہ تعالیٰ نے روزِ قیامت کی قسم اٹھائی،(۱) نفسِ لوّامہ کی قسم اٹھائی،(۲) ہواؤں کی قسم اٹھائی،(۳) ملائکہ مقربین کی قسم اٹھائی،(۴) آسمانی کرّوں کی قسم کھائی،(۵) زمین کی قسم اٹھائی،(۶) سورج کی قسم اٹھائی،(۷) چاند کی قسم اٹھائی،(۸) دن کی قسم اٹھائی،(۹) رات کی قسم اٹھائی،(۱۰) صبح کی قسم اٹھائی،(۱۱) زمانہ کی قسم اٹھائی،(۱۲) ثمرات بہشت کی قسم اٹھائی،(۱۳) پہاڑوں کی قسم اٹھائی(۱۴)۔

---

(۱) القیامۃ، ۷۵:۱، البروج، ۸۵:۲-۳، (۲) القیامۃ، ۷۵:۲، (۳) المرسلت، ۷۷:۱-۵، (۴) النزعت، ۷۹:۱-۵، (۵) التکویر، ۸۱:۱۵،۱۶، البروج، ۸۵:۱، الطارق، ۸۶:۱، (۶) الشمس، ۹۱:۶، (۷) الشمس، ۹۱:۱، (۸) الشمس، ۹۱:۲، (۹) الشمس، ۹۱:۳، اللیل، ۹۲:۲، (۱۰) الشمس، ۹۱:۴، اللیل، ۹۲:۱، التکویر، ۸۱:۱۷، (۱۱) التکویر، ۸۱:۱۸، (۱۲) العصر، ۱۰۳:۱، (۱۳) التین، ۹۵:۱، (۱۴) التین، ۹۵:۲۔

باب ہشتم

توحید فی الأحکام

اور

شرک فی الأحکام

www.MinhajBooks.com

احکام حکم کی جمع ہے۔ علوم و فنون کی فنی اصطلاح کے لحاظ سے حُکمُ سے مراد

اَثَرُ الشَّیءِ اِنَّمَا یَتَرَتَّبُ عَلَیْہِ.[1]

''وہ نتیجہ یا اثر ہے جو اسی چیز پر لاگو اور جاری ہوتا ہے۔''

حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے حسب فرمان امت پر فرض گئی ہے۔

بنیادی طور پر حکمِ الٰہی کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ حکمِ کونی ۲۔ حکمِ شرعی

۱۔ حکمِ کونی

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو کائنات کو وجود میں لانے کے لئے جاری ہوا۔ جس طرح کہ درج ذیل آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قضاء میں حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ.[2]

''پھر دو دِنوں (یعنی دو مرحلوں) میں سات آسمان بنا دیے۔''

۲۔ اللہ تعالیٰ نے امر میں حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

---

(۱) شربینی، مغنی المحتاج، ۴:۵۳۹

(۲) حم السجدۃ، ۴۱:۱۲

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۝[۱]

’’اس کا امرِ (تخلیق) فقط یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو (پیدا فرمانا) چاہتا ہے تو اسے فرماتا ہے ہو جا، پس وہ فوراً (موجود یا ظاہر) ہو جاتی ہے۔ (اور ہوتی چلی جاتی ہے)۝‘‘

۳۔ اللہ تعالیٰ نے امر میں ہی حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۝[۲]

’’اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم وہاں کے امراء اور خوشحال لوگوں کو (کوئی) حکم دیتے ہیں (تاکہ ان کے ذریعہ عوام اور غرباء بھی درست ہو جائیں) تو وہ اس (بستی) میں نافرمانی کرتے ہیں پس اس پر ہمارا فرمانِ (عذاب) واجب ہو جاتا ہے پھر ہم اس بستی کو بالکل ہی مسمار کر دیتے ہیں۝‘‘

۴۔ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ط اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۝[۳]

’’اور نہ کسی دراز عمر شخص کی عمر بڑھائی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (یہ سب کچھ) لوحِ (محفوظ) میں ہے، بیشک یہ اللہ پر بہت آسان ہے۝‘‘

۵۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں ہی حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

(۱) یس، ۳۶: ۸۲

(۲) الإسراء، ۱۷: ۱۶

(۳) فاطر، ۳۵: ۱۱

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ○[1]

’’اور بلا شبہ ہم نے زبور میں نصیحت کے (بیان کے) بعد یہ لکھ دیا تھا کہ (عالمِ آخرت کی) زمین کے وارث صرف میرے نیکوکار بندے ہوں گے ○‘‘

۶۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر حکم کونی کے بارے میں فرمایا:

فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللهُ لِيْ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ○[2]

’’سو میں اس سرزمین سے ہرگز نہیں جاؤں گا جب تک مجھے میرا باپ اجازت (نہ) دے یا میرے لئے اللہ کوئی فیصلہ فرما دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے○‘‘

۷۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ○[3]

’’(ہمارے حبیب نے) عرض کیا: اے میرے رب! (ہمارے درمیان) حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے، اور ہمارا رب بے حد رحم فرمانے والا ہے، اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان (دل آزار) باتوں پر جو (اے کافرو!) تم بیان کرتے ہو○‘‘

۸۔ اللہ تعالیٰ نے تحریم میں حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً.[1]

---

(۱) الأنبیاء، ۲۱:۱۰۵

(۲) یوسف، ۱۲:۸۰

(۳) الأنبیاء، ۲۱:۱۱۲

’’(ربّ نے) فرمایا پس یہ (سرزمین) ان (نافرمان) لوگوں پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے۔‘‘

۹۔ ایک اور مقام پر تحریم میں ہی حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ○[۲]

’’اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر ڈالا ناممکن ہے کہ اس کے لوگ (مرنے کے بعد) ہماری طرف پلٹ کر نہ آئیں○‘‘

۲۔ حکمِ شرعی

علمائے اصول کے نزدیک حکم سے مراد ’خطاب الشارع‘‘[۳] یعنی اللہ تعالیٰ کا قدیم و ازلی فرمان ہے، کیونکہ تمام احکام ربّانی ازل میں جاری ہوئے، مگر ان کا وجوب صرف اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے بندوں کو اس کا امر فرماتا ہے۔ عام طور پر علمائے اصول حکم کی اصطلاحی تعریف یوں کرتے ہیں:

الحکم خطاب الله المتعلق بأفعال المکلفین بالاقتضاء أو التخییر أو الوضع۔[۴]

’’حکم وہ ضابطہ عمل ہے جو وحی الٰہی سے نمو پاتا ہے جو بعض امور کے کرنے یا نہ

---

(۱) المائدة، ۵:۲۶

(۲) الأنبیاء، ۲۱:۹۵

(۳) ۱۔ غزالی، المستصفی من علم الأصول، ۱:۸

۲۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام، ۱:۱۳۵

۳۔ کشاف اصطلاحات الفنون، ۱:۳۸۰

(۴) ۱۔ صدرالشریعة، التوضیح، ۱:۲۸

۲۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام، ۱:۱۳۶

۳۔ قاضی، شرح العضد، ۱:۲۲۲

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

کرنے کی طلب یا ان میں اختیار و اباحت یا محض استقرار و اعلان پر مبنی ہوتا ہے۔‘‘

بعض ائمہ نے افعال المکلفین کی جگہ اَفْعَالُ الْعِبَادِ کہا ہے۔ مطلب اور مفہوم دونوں کا ایک ہے۔ آمدی نے حکم شرعی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

خطاب الشَّارِعِ الْمُفِيْدُ فَائدةً شَرْعِيَّةً. (۱)

’’حکم شرعی سے مراد شارع کا وہ خطاب ہے جس سے کوئی شرعی فائدہ یا دوسرے لفظوں میں کوئی شرعی مسئلہ معلوم ہو جائے۔‘‘

حکمِ شرعی کے باب میں چند آیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا:

يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (۲)

’’اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔‘‘

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا:

يُرِيْدُ اللهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ. (۳)

’’اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے۔‘‘

۳۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج میں فرمایا:

وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ. (۴)

’’اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔‘‘

www.MinhajBooks.com

---

(۱) آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ۱:۱۳۶

(۲) البقرۃ، ۲:۱۸۵

(۳) النساء، ۴:۲۸

(۴) الحج، ۲۲:۷۸

۴۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء میں فرمایا:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ.[1]

’’اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔‘‘

۵۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا:

اِنَّ اللهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی.[2]

’’بیشک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا۔‘‘

۶۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا:

اِنَّ اللهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَهْلِهَا.[3]

’’بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں۔‘‘

۷۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ میں فرمایا:

وَکَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ.[4]

’’اور ہم نے اس (تورات) میں ان پر فرض کردیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے عوض آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے عوض کان اور

www.MinhajBooks.com

(۱) الإسراء، ۱۷:۲۳

(۲) النحل، ۱۶:۹۰

(۳) النساء، ۴:۵۸

(۴) المائدۃ، ۵:۴۵

دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں (بھی) بدلہ ہے۔‘‘

۸۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ.(۱)

’’اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔‘‘

۹۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ میں فرمایا:

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ط اِنَّ اللهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُo(۲)

’’تمہارے لئے چوپائے جانور (یعنی مویشی) حلال کر دیئے گئے (ہیں) سوائے ان (جانوروں) کے جن کا بیان تم پر آئندہ کیا جائے گا (لیکن) جب تم احرام کی حالت میں ہو، شکار کو حلال نہ سمجھنا۔ بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہےo‘‘

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الممتحنۃ میں فرمایا:

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللهِ ط يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ط(۳)

’’یہی اللہ کا حکم ہے، اور وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرما رہا ہے۔‘‘

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ میں فرمایا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ.(۱)

---

(۱) البقرۃ، ۲:۱۸۳

(۲) المائدۃ، ۵:۱

(۳) الممتحنۃ، ۶۰:۱۰

’’تم پر مردار (یعنی بغیر شرعی ذبح کے مرنے والا جانور) حرام کر دیا گیا ہے اور (بہایا ہوا) خون اور سؤر کا گوشت اور وہ (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھٹ کر مرا ہوا (جانور) اور (دھار دار آلے کے بغیر کسی چیز کی) ضرب سے مرا ہوا اور اوپر سے گر کر مرا ہوا اور (کسی جانور کے) سینگ مارنے سے مرا ہوا اور وہ (جانور) جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو سوائے اس کے جسے (مرنے سے پہلے) تم نے ذبح کر لیا، اور (وہ جانور بھی حرام ہے) جو باطل معبودوں کے تھانوں (یعنی بتوں کے لئے مخصوص کی گئی قربان گاہوں) پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم پانسوں (یعنی فال کے تیروں) کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کرو (یا حصے تقسیم کرو)۔‘‘

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝(۲)

’’تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (سب) حرام کر دی گئی ہیں اور (اسی طرح) تمہاری گود میں پرورش

---

(۱) المائدة، ۵:۳

(۲) النساء، ۴:۲۳

پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو (بھی حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے کہ جو دورِ جہالت میں گزر چکا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہےo‘‘

اسلام میں چونکہ دین و سیاست میں تفریق نہیں، اس لئے حکم سے مراد **حکم فی الدین و العبادۃ** کے علاوہ **حکم فی الحکومۃ و السیاسۃ** بھی علما نے مراد لیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں خوارج کا موقف یہی تھا کہ سیاسی امور کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو سکتا ہے مخلوق کے حکم کے مطابق نہیں۔ یہی وجہ ہے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خوارج کے منہ سے یہ لفظ سنا تھا تو فرمایا تھا:

كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدَ بِهَا بَاطِلٌ. (۱)

’’کلمہ تو حق ہے، مگر مقصود اس سے باطل ہے۔‘‘

’’حکم‘‘ قرآن کی صورت میں نازل شدہ وحی الٰہی کے الفاظ کو نہیں بلکہ اس قانونی ضابطے یا قانونی قدر (Legal Value) کو کہتے ہیں جو الفاظِ وحی سے ثابت (Establish) ہوتی ہے۔ جس کی ائمہ فقہہ و اصول نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ وضاحت کر دی ہے۔

فقہ اسلامی میں شارع یعنی واضع قانون یا قانون دہندہ کی حیثیت صرف

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، ۲: ۷۴۹، رقم: ۱۰۶۶

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۳۸۷، رقم: ۶۹۳۹

۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۱۶۰، رقم: ۸۵۶۲

خدائے لم یزل اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے۔ خدا کی حاکمیت حقیقی اور اصلی ہے جبکہ رسول ﷺ کی حاکمیت خدا کے نائب اور مظہر ہونے کے اعتبار سے نیابتی و تفویضی ہے۔ آپ ﷺ خدا کی طرف سے تشریعی اختیارات کے حامل ہونے کی بنا پر ابد الآباد تک انسانیت کے لئے مطاع مطلق ہیں لہٰذا کسی بھی معاملے میں رسول اللہ ﷺ کے اوامر و نواہی دراصل خدا ہی کے اوامر و نواہی کہلاتے ہیں۔

تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کا مشترکہ حق ہے

احکامِ شریعت کے حوالے سے حرام و حلال کے متعلق بعض لوگوں کے ہاں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ تحلیل و تحریم صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ثابت ہے یعنی کسی امر کو حرام قرار دینا یا حلال کر کے اس کی حدود متعین کرنا یہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے دوسرے معنوں میں ایسا کہنے والے امر و نہی میں رسول ﷺ کی تشریعی حیثیت کا انکار کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ کو بھی یہ اختیار تفویض فرمایا ہے کہ وہ بعض چیزوں کو حرام قرار دیں اور بعض کو حلال۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَ رَسُوْلُهُ.(۱)

”اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام قرار دیا ہے۔“

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ سے اس چیز کی صراحت ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تحریم حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی ثابت فرمائی ہے۔ بعض لوگ بلاوجہ اور بلاجواز تحریم رسول کو شرک کہہ دیتے ہیں لہٰذا اس کے معنی کو متعین کرنا ہو گا۔ شرعاً جب کسی امر کو بجا لانے سے روک دیا جائے تو وہ حرام قرار پاتا ہے۔ اسی طرح کسی جگہ اور مقام کو احتراماً اور تعظیماً باعثِ حرمت قرار دیا جائے تو اس میں بعض افعال تقدس کے سبب ممنوع قرار پاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ جگہ حرم یعنی محترم ہو جاتی ہے۔ جہاں احتراماً بعض افعال کے بجا

(۱) التوبۃ، ۹: ۲۹

لانے کی ممانعت ہوتی ہے۔ ان ممنوع افعال سے رکنا ہی اس کی حرمت ہے۔

حرمت، حرام اور تحریم میں ایک معنوی ربط پایا جاتا ہے۔ جب کسی چیز کو حلال کر دیا جاتا ہے تو گویا وہ حرمت کی قیودات سے آزاد ہو جاتی ہے۔ کسی چیز کی حرمت اور تحریم کے اسباب تو کئی ہو سکتے ہیں لیکن تحریم اور حرام میں ممانعت مشترک ہے۔ اس ممانعت میں کبھی جان کی حفاظت پیشِ نظر رکھی جاتی ہے اور کبھی اس چیز کا تقدس اور تعظیم ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے۔

درجہ بالا آیتِ مبارکہ نبی اکرم ﷺ کی تحریم کو اللہ کی تحریم ثابت کر رہی ہے جبکہ قرآن حکیم کی سورۃ الاعراف میں اس سے بھی ایک قدم آگے حضور نبی اکرم ﷺ کے تشریعی اختیارات کو بطور خاص بیان فرمایا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰئِثَ.(۱)

”یہ رسول انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔“

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی دو شانوں کا ذکر ہے:

پہلی شان: امر و نہی کے اختیار کے اعتبار سے آمر و ناھی (حکم دینے والے اور منع فرمانے والے) کی ہے۔

دوسری شان: تحلیل و تحریم کے الوہی اختیار کی وجہ سے محرّم و محلّل (حرام ٹھہرانے والے اور حلال ٹھہرانے والے) کی ہے۔ تحریم و تحلیل حضور نبی اکرم ﷺ کے حقوق میں سے ایک حق ہے لہٰذا یہ کہنا بلا جواز ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس تحلیل و تحریم کا اختیار نہیں اور یہ صرف اللہ کا حق ہے اور یہ کہ کسی اور کے لئے اس حق کا اثبات شرک ہے یہ کہنا نری

(۱) الاعراف، ۷:۱۵۷

جہالت اور انکارِ قرآن ہے۔

حرم کی حدود رسول اکرم ﷺ نے متعیّن فرمائیں

علاوہ ازیں بعض کے نزدیک یہ تصور بھی کیا جاتا ہے کہ کسی کی تعظیم وتکریم کے لئے حدیں مقرر کرنا شرک ہے کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے جبکہ یہ بات بھی درست نہیں صحیح احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم بنایا تو اس کی حرمت واجب ہو گئی جس کو پامال کرنا گناہ قرار پایا۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے تشریعی اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے اپنی مبارک جائے سکونت مدینہ منورہ کو حرم بنا دیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مِنْ كَذَا إِلَى كَذَا، لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا، وَلَا يُحْدَثُ فِيهَا حَدَثٌ، مَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.

(هَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَ زَادَ مُسْلِمٌ: لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا).[۱]

”مدینہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک حرم ہے اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور نہ اس میں کوئی فتنہ بپا کیا جائے جو اس میں فتنہ کا کوئی کام ایجاد کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔اور مسلم نے ان الفاظ کا

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل المدینۃ، باب حرم المدینۃ، ۲: ۶۶۱، رقم: ۱۷۶۸،

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ و دعاء النبی ﷺ فیھا بالبرکۃ و بیان تحریمھا و تحریم صیدھا و شجرھا و بیان حدود حرمھا، ۲: ۹۹۴، رقم: ۱۳۶۶

اضافہ کیا ہے کہ ’’قیامت کے دن اس کا فرض و نفل کچھ بھی قبول نہ ہوگا۔‘‘

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَ إِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا. لَا يُقْطَعُ عِضَاهُهَا وَلَا يُصَادُ صَيْدُهَا. (۱)

’’حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم مقرر کیا تھا اور میں دونوں کالے پتھروں والے میدانوں کے درمیان مدینہ کو حرم مقرر کرتا ہوں نہ وہاں کوئی درخت اور جھاڑی کاٹی جائے اور نہ ہی وہاں کوئی جانور شکار کیا جائے۔‘‘

پس مدینہ منورہ کی تحریم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریعی اختیار کی بدولت عمل میں آئی ہے لہٰذا حرم مکہ کی طرح حرم مدینہ کی حدود میں بھی کسی قسم کی زیادتی کی اجازت نہیں۔ مثلاً یہ کہ وہاں کوئی بھی جنگ و قتال نہیں کر سکتا، درخت نہیں کاٹ سکتا۔ یہ سب تحریمات صرف حرمین شریفین کے لئے ہیں۔ اب اگر کوئی اس طرح کسی اور شہر اور جگہ کو حرم بنا کر حرمین شریفین کی طرح اس کیلئے حرمت و تعظیم کے قواعد اپنی طرف سے وضع کرے تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ حدود سے تجاوز اور شرک فی التحریم ہوگا۔

مدینہ منورہ میں حرمت کی حدیں مقرر کرنے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں حرم کی حدیں بھی مقرر فرمائیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کو ہی حرم قرار دیا تھا۔ نصِ قرآنی کے مطابق مکہ و مکرمہ میں حرم صرف خانہ کعبہ ہے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے شہر مکہ کو بلدِ حرم ٹھہرایا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے ارد گرد چاروں اطراف حدودِ حرم کا تعین فرمایا جس کا تذکرہ صحیح حدیث میں یوں کیا گیا ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب فضل المدينة و دعاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فيها بالبركة و بيان تحريمها و تحريم صيدها و شجرها و بيان حدود حرمها، ۲: ۹۹۲، رقم: ۱۳۶۲
۲۔ أحمد بن حنبل فی المسند، ۱: ۱۸۴

وَ قَّتَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ المنَازِلِ وَ لِاَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ فَهُنَّ لَهُنَّ وَ لِمَنْ اَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهِلُّهُ مِنْ اَهْلِهِ وَ كَذَاكَ حَتّٰى اَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے اہلِ مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ کو میقات مقرر کیا، اہلِ شام کے لئے جحفہ کو، اہلِ نجد کے لئے قرن کو اور اہلِ یمن کے لیے یلملم کو۔ یہ مواقیت ان علاقوں کے رہنے والوں کے لیے بھی ہیں اور ان لوگوں کے لیے بھی جو دوسرے علاقوں سے ان مواقیت کی حدود میں آئیں جن کا ارادہ حج یا عمرہ کا ہو اور جو لوگ ان مواقیت کے اندر ہوں وہ اسی جگہ سے احرام باندھیں حتی کہ اہلِ مکہ، مکہ مکرمہ (کے مقام تنعیم) سے احرام باندھیں۔‘‘

حدیثِ مبارکہ میں شہر مکہ کی حدودِ حرمت کا تذکرہ ہے جو ظاہر ہے خانہ کعبہ کی حدود کے علاوہ حدود کا تعین ہے حالانکہ اللہ پاک نے تو صرف خانہ کعبہ کو ہی حرم قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ط(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری الصحیح، کتاب الحج، باب مھل أھل مکۃ للحج والعمرۃ، ۲: ۵۵۴، رقم: ۱۴۵۲

۲۔ بخاری الصحیح، کتاب الحج، باب مھل أھل الشام، ۲: ۵۵۵، رقم: ۱۴۵۴

۳۔ مسلم، کتاب الحج، باب مواقیت الحج، ۲: ۸۳۸، رقم: ۱۱۸۱

۴۔ ابو داؤد، السنن، کتاب المناسك، باب فی المواقیت، ۲: ۱۴۳، رقم: ۱۷۳۷

(۲) المائدۃ، ۵: ۹۷

’’اللہ نے عزت (و ادب) والے گھر کعبہ کو لوگوں کے (دینی و دنیوی امور میں) قیام (امن) کا باعث بنا دیا ہے اور حرمت والے مہینے کو اور کعبہ کی قربانی کو اور گلے میں علامتی پٹے والے جانوروں کو بھی (جو حرمِ مکہ میں لائے گئے ہوں سب کو اسی نسبت سے عزت و احترام عطا کر دیا گیا ہے)۔‘‘

مذکورہ آیت اور حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ بلدِ حرام کو قرآن نے حرم قرار نہیں دیا اور نہ حدودِ حرم (میقات) کو قرآن نے متعین کیا بلکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے شہرِ مکہ کو حرم ٹھہرایا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکۃ المکرّمہ کے چاروں طرف حدودِ حرم کا تعین فرما دیا جہاں سے حج اور عمرہ کرنے والے کے لئے بغیر احرام آگے بڑھنا جائز نہیں ہے ایسے مقامات کو اصطلاحِ شریعت میں مواقیت کہتے ہیں۔ حدودِ حرم کا فاصلہ ہر جانب مختلف ہے۔ مسجدِ حرام سے یہ اطراف درجہ ذیل فاصلے پر ہیں:

۱۔ مدینہ منورہ کی جانب سے تین میل کے فاصلہ پر مقامِ تنعیم (مسجدِ عائشہ رضی اللہ عنہا) پر حرم کی حد ہے۔

۲۔ جدہ کی طرف سے حدِ حرم ۱۰ میل کے فاصلہ پر مقام شُمَیسی ہے۔

۳۔ عراق کی طرف سے سات میل کے فاصلہ پر جبلِ شنبہ تک

۴۔ طائف کی طرف سے بطن عرنہ تک سات میل کے فاصلہ پر ہے۔

۵۔ جعرانہ کی طرف شعبِ آل عبداللہ بن خالد تک حدِ حرم نو میل ہے۔

۶۔ یمن کے راستے پر سات میل کے فاصلہ پر حدِ حرم ہے۔

ان حدود کے اندر کا خطہ زمین بلد الحرم ہے لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ’’حدیں مقرر کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہ کہ نبی و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حدودِ تکریم و تعظیم مقرر نہیں کر سکتے لہٰذا جو یہ عقیدہ رکھے گا مشرک ہو جائے گا‘‘ ایسا عقیدہ رکھنا انکارِ قرآن و سنت ہے۔

• شرک فی الأحکام

تحلیل وتحریم وہ شرعی حق ہے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے لئے خاص ہے۔ انبیاء و رسل عظام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے حکم اور مرضی کے مظہر و نمائندگان ہوتے ہیں اس لئے اس کی منشاء اور اذن واجازت کے مطابق بعض امور کو حلال اور بعض کو حرام ٹھہراتے ہیں اگر کسی غیر نبی کو یہ حق دے دیا جائے تو اِس کے معنی یہی ہوئے کہ اُسے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حق میں شریک کر لیا گیا۔ نصاریٰ اس غلو کی علامت بن گئے۔ انہوں نے اپنے احبار و رُھبان کو وہ حقوق دے دیئے جو صرف اللہ و رسول کے لئے خاص تھے۔ قرآن حکیم میں اِن کی یہ گمراہی اِس طرح ظاہر کی گئی ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَ رُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللہِ وَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ ج وَ مَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰھًا وَّاحِدًا ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ط سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○[1]

’’انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنا لیا تھا اور مریم کے بیٹے مسیح (علیہ السلام) کو (بھی) حالانکہ انہیں بجز اس کے (کوئی) حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے ایک (ہی) معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان سے پاک ہے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں ○‘‘

احبار و رُھبان جس چیز کو حلال قرار دیتے اِن کے پیروکار اُسے حلال سمجھتے تھے اور جس چیز کو حرام قرار دیتے وہ اُسے حرام سمجھتے تھے۔ اب بھی اگر کسی غیر نبی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حقِ تحلیل وتحریم میں شریک کر لیا جائے اور اس کے احکامات اور تعلیمات اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت یا اس کے مثل مان لیا جائے تو یہ شرک فی الاحکام ہو گا۔

(۱) التوبۃ، ۹: ۳۱

امر و نہی میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کا اشتراک

امر اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے جس سے مراد اللہ تعالیٰ کا حکم اور فرمان ہے جس پر عمل فرائض دینی میں شامل ہے۔ اس صفت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے امتیاز و اختصاص پایا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے لئے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ارشاد فرمایا جس کی رو سے ''امر'' مطلقاً اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ یہاں امر کا اطلاق اس کی ذات پر ہونا جس مفہوم میں ہے وہ الفاظ کی یکسانیت کے باوجود معنی کے اعتبار سے مختلف ہے۔ امر کا لفظ جب اللہ رب العزت کی حاکمیتِ اعلیٰ اور اس کی مطلق فرمانروائی اور متصرف کل ہونے کی طرف راجع ہو تو پھر اس کی مطلق اور مثالی صفت کا مظہر بن جاتا ہے اور جب یہ لفظ حضور اکرم ﷺ اور آپ کی امت کے لئے بولا جائے تو اس کے معانی مختلف ہو جاتے ہیں۔ اس معنوی تبدیلی کے ادراک سے امر کے معنٰی میں کوئی التباس نہیں رہتا اور شرک کے امکان سے متعلق تمام شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

یہ بدیہی امر ہے کہ خلق اور امر دونوں اللہ تعالیٰ کی امتیازی اور اختصاصی صفات ہیں لیکن قرآن حکیم میں ایسی آیات بھی ہیں جن میں امر و نہی کی صفت غیر اللہ یعنی دیگر مخلوق سے بھی منسوب ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔'' یہ حضور نبی اکرم ﷺ کا منصبِ نبوت ہے جس کی بجا آوری میں آپ ﷺ بھلائی کے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں، اِسے اصطلاحاً امر بالمعروف و نھی عن المنکر کا نام دیا جاتا ہے۔ امر بالمعروف و نھی عن المنکر کے باب میں یہی الفاظ قرآن نے حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے واجب الاطاعت لوگوں (اولی الامر) کے لئے بھی استعمال کئے ہیں کہ وہ امر بالمعروف و نھی عن المنکر کا فریضہ بجا لانے پر مامور ہیں۔ اس طرح امر اور نہی دونوں حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے صاحبانِ امر لوگوں کی صفت اور خصوصیت بھی ہے۔

ذیل میں بعض آیات کا تقابلی جائزہ اس تصور کو صحیح طرح سمجھنے کے لئے ممد و معاون ہے:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کا ذکر

۱۔ حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے

۱۔ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ [۱]

”حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔“

۲۔ اَلَا لَهُ الۡحُکۡمُ ۟ قف [۲]

”جان لو! حکم (فرمانا) اسی کا (کام) ہے۔“

۳۔ وَ لَهُ الۡحُکۡمُ وَ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝ [۳]

قرآن حکیم میں مخلوق کے امر و حکم کا ذکر

• اقتدار و اختیار کی صفت انبیاء کرام کو عطا ہوئی

۱۔ وَاَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ؕ [۴]

”اور ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں میں ان امور کا فیصلہ کر دے جن میں وہ اختلاف کرنے لگے تھے۔“

۲۔ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ. [۵]

”پس آپ ان کے درمیان ان (احکام) کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے نازل فرمائے ہیں۔“

• احکاماتِ شریعت کے عدمِ نفاذ پر مخلوق کو وعید

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَ مَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ

(۱) الانعام، ۶:۵۷
(۲) الانعام، ۶:۶۲
(۳) القصص، ۲۸:۷۰
(۴) البقرة، ۲:۲۱۳
(۵) المائدة، ۵:۴۸

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کا ذکر	قرآن حکیم میں مخلوق کے امر و حکم کا ذکر

’’اور (حقیقی) حکم و فرمانروائی (بھی) اسی کی ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے o‘‘

۴۔ فَالْحُکْمُ لِلّٰہِ الْعَلِيِّ الْکَبِیْرِ o(۱)

’’پس (اب) اللہ ہی کا حکم ہے جو (سب سے) بلند و بالا ہے o‘‘

۲۔ مطلق فرماں روائی اللہ ہی کی ہے

۱۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ ط (۲)

’’فرما دیں کہ سب کام اللہ ہی کے ہاتھ

فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ o(۳)

’’اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ کرے، سو وہی لوگ کافر ہیں o‘‘

۲۔ وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ o(۴)

’’اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ کرے سو وہی لوگ ظالم ہیں o‘‘

۳۔ وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ o(۵)

’’اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ کرے سو وہی لوگ فاسق ہیں o‘‘

• احکاماتِ الٰہیہ میں حضور ﷺ کے تشریعی اختیارات

گزشتہ صفحات میں ہم سورۃ الاعراف اور سورۃ التوبہ کی آیات پر سیر حاصل بحث کر

(۱) المؤمن، ۴۰: ۱۲

(۲) آل عمران، ۳: ۱۵۴

(۳) المائدۃ، ۵: ۴۴

(۴) المائدۃ، ۵: ۴۵

(۵) المائدۃ، ۵: ۴۷

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کا ذکر

میں ہیں۔‘‘

۲۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط(۱)

’’خبردار! (ہر چیز کی) تخلیق اور حکم و تدبیر کا نظام چلانا اسی کا کام ہے۔‘‘

قرآن حکیم میں مخلوق کے امر و حکم کا ذکر

چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ان اختیاراتِ تشریعی کا اجمالی ذکر ہم اسی حصہٴ کتاب کے دوسرے باب کی فصل ’’توحید فی القدرۃ‘‘ میں بھی کر آئے ہیں۔

• اُمت مصطفوی ﷺ میں بھی صاحبانِ امر ہیں

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج(۲)

’’اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی۔‘‘

۲۔ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ط وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط(۳)

’’اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا

(۱) الاعراف، ۷: ۵۴

(۲) النساء، ۴: ۵۹

(۳) النساء، ۴: ۸۳

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کا ذکر	قرآن حکیم میں مخلوق کے امر و حکم کا ذکر
	خوف کی آتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ (بجائے شہرت دینے کے) اسے رسول (ﷺ) اور اپنے میں سے صاحبانِ امر کی طرف لوٹا دیتے تو ضرور ان میں سے وہ لوگ جو (کسی) بات کا نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں اس (خبر کی حقیقت) کو جان لیتے۔‘‘
	۳۔ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ ط وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ○[1]
	’’تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو یقیناً ان کے لئے بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ ایمان والے بھی ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں○‘‘

(۱) آل عمران، ۳: ۱۱۰

اگر یہ بات درست مان لی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی حکم نہیں دے سکتا تو پھر ان قرآنی آیات کا انکار لازم آئے گا جن میں اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق کو فرمایا کہ احکاماتِ الٰہی کو تم نافذ کرو اور جو ایسا نہ کرے تو وہ کافر، ظالم اور فاسق و فاجر ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے

توحید فی الاحکام کے باب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی تشریعی حیثیت کے بارے میں راقم خود اپنی ایک عربی تصنیف ''مَكَانَةُ الرِّسَالَةِ وَحُجِّيَّةُ السُّنَّة'' کا ایک حصہ مع ترجمہ ذیل میں وضاحت کے لیے شامل کر رہا ہے:

إنّ مصدر التّشريع فی عهد النبي ﷺ كان كتاب الله و سنّة رسوله ﷺ إنَّ اللهَ تعالیٰ قَرَنَ اتّباعَ النّبيّ ﷺ بالإيمانِ بهِ ﷺ وَ قَرَنَ الإيمانَ بهِ ﷺ مع الإيمانِ باللهِ تعالى. فلا يجوزُ أنْ يُّفَرَّقَ بَيْنَ الإيمانِ بالرّسولِ ﷺ و اتّباعهِ ﷺ كما لا يجوزُ بين الإيمانِ باللهِ تعالى و الإيمان بالرّسول ﷺ. فكلُّ واحدٍ مِّن هٰذين الأمرينِ يَسْتَلْزِمُ الآخرَ، فإقْرارُ الاوّلِ يَسْتَوْجِبُ قبولَ الثّانِی، و إنْكارُ الثّانِی يَسْتَوْجِبُ ردَّ الأوّلِ. فلا يمكن أنْ يُّقْبَلَ واحدٌ و يُرَدَّ الآخر.

فَانّ هٰذه الأُصولَ بينة و ثابتةٌ مِن قولهِ تعالى: ﴿مَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ إِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾[1]. هٰذه الآيةُ دآلّةٌ على أنّه لا يوجدُ ولا يُقْبَلُ الاعترافَ بقدرِ اللهِ تعالى و لا بعظمة أُلُوهيّتهِ قطعاً اِلّا بإقرار الرِّسالةِ والنُّبوّة. لأنّ الرِّسالةَ والنُّبوّةَ هی واسطةٌ وحيدةٌ و وسيلةٌ فريدةٌ لمعرفة وجودهِ تعالى و اُلُوْهيّتهِ

(۱) الأنعام، ٦: ٩١

وِلتبليغِ شريعتهِ إلى عبادهِ ولتشكُّلِ طاعتهِ لأحكَامهِ وَ أوامرهِ، حيثُ اجتبىٰ الله ﷻ الرُّسُلَ العِظامَ واختارَهم للأَخُذِ من الخالق والإيصالِ إلى الخلق، واصطَفَاهُمْ للقَبُولِ من الخالق والإفُضَالِ على الخلق. واختصهم بالعطاء من الخالق والقَسْمِ بين الخَلُقِ، وَ شَرَّفَهُم بالسماع من الخَالِقِ والرّواية للخلق. و عزّزهم بالوحيِ من الخالقِ والهَدْيِ لِلُخَلُقِ. وَ أَكرَمَهُم بالكتابِ من الخالقِ والسُّنّةِ للخلقِ.

فلا بُدَّ أن نؤمِنَ باللهِ تعالى وَ نُقِرَّ بِالتَّوحيد و نَعُرِفَ قدرَ الأُلوهيَّة بوَاسِطَةِ الرّسالة و معرفةِ عَظَمَتِها و حُجِيّة أُسوَتِها و اتّباعِ سنّتِهَا كَمَا قَالَ اللهُ تعالى: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهِ مَا يَشَآءُ ط اِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾[1] فإنّ هٰذه الآيَة صرَّحت بأنّ اللهَ تعالى لا يُعطيِ أمرهُ ولا يُوصِلُ كلامَهُ مباشرةً إلى عالَمِ البشريّةِ والانسانِيّة إلاّ بواسطةِ النُّبوّة والرِّسالة.

فإنّه يَصُطَفِي من عبادهِ أحداً فَيجعلَهُ نبيًّا و رسولًا و يشرِّفه بخطابهِ و يُنزِلُ عليهِ كلامَهُ وهو، اى النّبىّ ﷺ يُخاطِبُ الانسانَ وَكَالَةً عنهُ تعالى و يُكَلِّمُ البَشَرَ نيابةً عنهُ تعالى و يُخُبِرُهم عن أمرهِ و نهيهِ. فُيقرِّر اللهُ تعالى خطابَ النّبيّ علىٰ أنَّهُ خِطَابهُ، و كلامَ النّبيّ علىٰ أنَّهُ كلامَهُ، و إخبارَ النّبيِّ علىٰ أَنَّهُ اَخبَارُهُ، و بيان النّبيِّ أنَّهُ بيانهُ، و طاعةَ النّبيِّ على أنها طاعتهُ، و معصيّةَ النّبيِّ على أنها

(۱) الشوریٰ، ۴۲:۵۱

معصيّتهُ، و جعلَ سنّةَ النّبيِّ سبيلهُ، و اتّباعَ النّبيِّ دليلهُ، فأعلَنَتِ الملائكةُ بنفس الامرِ كما روىٰ جابر بن عبدالله رضي الله عنه: فَمَن أطاع محمداً فقد أطاعَ الله، ومن عَصى محمّداً فقد عَصى الله، و محمّدٌ فَرقٌ بين النّاسِ.(۱)

و قال رسولُ الله صلى الله عليه وآله وسلم، كما روىٰ أبوهريرة رضي الله عنه: من أطَاعنِى فقد أطَاع الله ومن عصانى فقد عصىٰ الله. (متّفقٌ عليهِ).(۲)

و قال تعالى: ﴿اَللّٰهُ أَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾(۳). هٰذهِ الآية دلّت على أنّ الرِّسالةَ نعمةٌ عظيمةٌ، و منزلةٌ رفيعةٌ، ولا يعلم إلّا اللهُ تعالىٰ بمن يُكرِمهُ بهٰذهِ المَكَانَةِ و بمَن يّجعَلَهُ مَحَلَّ الرِّسالة، لأنّ قولَ الرّسولِ صلى الله عليه وآله وسلم ليس كمثل قولِ أحدٍ من البشرِ إنّما هو قولٌ مِن عند اللهِ تعالى كما قال الله عزوجل: ﴿وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى ○ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡيٌ يُّوۡحٰى﴾(۴) و فِعۡلَ الرّسولِ صلى الله عليه وآله وسلم ليس كمثل فعل أحدٍ من البشرِ إنّما هو فعلٌ بإذن اللهِ تعالى كما قال عزوجل: ﴿وَمَا

(۱) أخرجه البخارى فى الصحيح، كتاب: الاعتصام بالكتاب والسنة، باب: الاقتداء بِسُنَنِ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، ۶:۲۶۵۵، الرقم: ۶۸۵۲

(۲) أخرجه البخارى فى الصحيح، كتاب: الأحكام، باب: قول الله تعالى: أَطِيۡعُوا اللهَ وَ أَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ أُوۡلِی الۡأَمۡرِ مِنۡكُمۡ: [النساء: ۵۹]، ۶:۲۶۱۱، وفى كتاب: الجهاد، باب: يقاتل مِن وراء الإمام و يُتّقى به، ۳:۱۰۸۰، الرقم: ۲۷۹۷، و مسلم في الصحيح، كتاب: الإمارة، باب: وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية و تحريمها فى المعصعية، ۳:۱۴۶۶، الرقم: ۱۸۳۵

(۳) الانعام، ۶ :۱۲۴

(۴) النجم، ۵۳:۳۔۴

رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰـکِنَّ اللهَ رَمٰی﴾[1] **و صراطَ الرّسولِ ﷺ** لیس کمثلِ صراطِ أحدٍ من البشرِ، انّما هو صراط اللهِ تعالی کما قال ﷻ: ﴿هٰذَا صِرَاطُ رَبِّکَ مُسْتَقِیْمًا﴾[2]. **و رِضَی الرَّسُوْلِ ﷺ** لیس کَمِثْلِ رِضٰی أحدٍ من البشرِ انّما هو رِضَی اللهِ تعالی کما قال ﷻ: ﴿وَ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾[3].

و عَطَاءَ الرّسولِ ﷺ لیس کَمِثْلِ عطاءِ أحدٍ من البشرِ إنّما هو عطاءُ اللهِ تعالی کما قال ﷻ: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰـهُمُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ﴾[4]. **و فضلَ الرَّسُوْلِ ﷺ** لیس کمثلِ فضلِ أحدٍ مِّنَ البشر إنّما هو فضلُ اللهِ تعالی کما قال ﷻ: ﴿وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ سَیُؤْتِیْنَا اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ لا اِنَّآ اِلَی اللهِ رَاغِبُوْنَ﴾[5]. **و إغناءَ الرّسول ﷺ** لیس کمثلِ إغناءِ أحدٍ مّنَ البشر إنّما هو إغناءُ اللهِ تعالی کما قال ﷻ: ﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰـهُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾[6]. **و إنعَامَ الرّسول ﷺ** لیس کمثلِ إنعامِ أحدٍ مّنَ البشر انّما هو إنعامُ اللهِ تعالی کما قال ﷻ: ﴿اَنْعَمَ اللهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ﴾[7].

والأدبَ مَعَ الرّسولِ ﷺ لیس کمثلِ أدبِ أحد مّنَ البشر إنّما هو الأدبُ مع اللهِ تعالی کما قال ﷻ: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللهَ اِنَّ اللهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾[8].

و تعظیمَ الرّسولِ ﷺ لیس کَمِثْلِ تعظیم أحدٍ مّن البشرِ إنّما هو

(۱) الانفال، ۸:۱۷
(۲) الانعام، ۶:۱۲۶
(۳) التوبة، ۹:۶۲
(۴) التوبة، ۹:۵۹
(۵) التوبة، ۹:۵۹
(۶) التوبة، ۹:۷۴
(۷) الاحزاب، ۳۳:۳۷
(۸) الحجرات، ۴۹:۱

تَعظِيمُ اللهِ تعالى كما قالَ ﷻ: ﴿إِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيرًا ۝ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تُعَزِّرُوۡهُ وَ تُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا ۝﴾(۱).

والبَيعةَ على يدِ الرّسولِ ﷺ لَيسَ كمثلِ بيعةِ أحدٍ مّن البشر انّما هى بيعةٌ باللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللهَ ؕ يَدُاللهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ﴾(۲). و دعاءَ الرّسولِ ﷺ ليس كمثل دعاءِ أحدٍ من البشرِ انّما هو دعاء اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا﴾(۳). و قولِه: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِيۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ﴾(۴).

و مِلكَ الرَّسُولِ ﷺ ليس كمثل ملكِ أحدٍ مِن البشر انّما هو مِلكُ اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿يَسۡئَلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ﴾(۵). و إطاعةَ الرّسولِ ﷺ ليس كمثلِ اطاعةِ أحدٍ مّن البشرِ انّما هى اطاعةُ اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللهَ ۚ وَ مَنۡ تَوَلّٰى فَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا﴾(۶) و قولِه: ﴿تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللهِ ؕ وَ مَنۡ يُّطِعِ اللهَ وَ رَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ﴾(۷) و قولِه: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَطِيۡعُوا اللهَ وَاَطِيۡعُوا

(۱) الفتح، ۴۸: ۸-۹
(۲) الفتح، ۴۸: ۱۰
(۳) النور، ۲۴: ۶۳
(۴) الانفال، ۸: ۲۴
(۵) الانفال، ۸: ۱
(۶) النساء، ۴: ۸۰
(۷) النساء، ۴: ۱۳

الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْآ اَعْمَالَکُمْ﴾[۱] **و معصيّةَ الرسول ﷺ** ليس كمثل معصيّةِ أحدٍ مّنَ البشر انّما هى معصيّة اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾[۲]، و قولهِ: ﴿اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ط وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾[۳].

وَ مُشاقَّةَ الرَّسُولِ ﷺ ليس كمثلِ مشاقّةِ أحدٍ مّن البشرِ انّما هى مشاقّةُ اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿ذَالِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾[۴]. و قولهِ: ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ ج وَمَنْ يُّشَآقِّ اللهَ فَاِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾[۵]. **و البراءَةَ مِّنَ الرّسول ﷺ** ليس كمثلِ براءَةِ أحدٍ مّن البشرِ إنّما هى براءَةُ اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾[۶].

و اَذانٌ مّن الرّسولِ ﷺ ليس كمثلِ اَذانِ أحدٍ مّن البشرِ إنّما هى اذانٌ من اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ﴾[۷]. **و أذيّةَ الرَّسُولِ ﷺ** ليس كمثلِ أذيّةِ أحدٍ من البَشرِ إنما هى اذيّةُ الله تعالى، كما قال ﷻ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ

(۱) محمد، ۴۷:۳۳
(۲) النساء، ۴:۱۴
(۳) جن، ۷۲:۲۳
(۴) الانفال، ۸:۱۳
(۵) الحشر، ۵۹:۴
(۶) التوبة، ۹:۱
(۷) التوبة، ۹:۳

اللهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴾.[1]

وَ غضّ الأصوَات عندَ الرَسُول ﷺ تَعظِيماً له ليس كمثل إكرام أحدٍ مِنَ البشر إنّما هی عبادةُ اللہ و تقوی القلوب كما قال ﷻ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ﴾[2].

و محبّةَ الرّسول ﷺ ليس كمثل محبة أحدٍ من البشر إنما هی محبةُ اللہ تعالی. كما قال ﷻ: ﴿قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ﴾[3]. **و اتّباعَ الرَّسُول ﷺ** ليس كمثلِ إتباعِ أحدٍ من البشر إنّما هی محبة اللہ و مغفرةً منه كما قال ﷻ: ﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾[4].

والدعوةَ إلی الرّسُول ﷺ ليس كمثل الدعوة إلی أحدٍ مِّن البشر إنّما هی الدعوةُ إلی اللہ تعالی كما قال ﷻ: ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَا اَنْزَلَ اللهُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۵۷
(۲) الحجرات، ۴۹: ۳
(۳) التوبة، ۹: ۲۴
(۴) آل عمران، ۳: ۳۱

یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا﴾[۱]، و قوله: ﴿اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾[۲]. و **مُحَادَّةُ الرّسُول** ﷺ لیس کمثل مُحادّة أحدٍ من البشر إنّما هی محادّةُ الله تعالی کما قال ﷻ: ﴿اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ط ذٰلِکَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ﴾[۳]، و قوله: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ﴾[۴]. **و تحریمَ الرّسُول** ﷺ لیس کمثل تحریم أحدٍ من البشر إنما هو تحریمُ الله تعالی کما قال ﷻ: ﴿وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ﴾[۵]. **و قضاءَ الرَّسُول** ﷺ لیس کمثل قضاء أحدٍ من البشر إنما هو قضاء الله تعالی کما قال ﷻ: ﴿وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾[۶].

’’عہدِ نبوی ﷺ میں شریعت کے مآخذ قرآن اور سنتِ رسول ﷺ تھے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع کو آپ ﷺ پر ایمان سے مشروط فرما دیا ہے اور آپ ﷺ پر ایمان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ منسلک فرما دیا ہے۔ پس آپ ﷺ پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی اتباع میں فرق کرنا اسی طرح جائز نہیں جس طرح ایمان باللہ اور ایمان بالرّسالت میں فرق کرنا اس طرح جائز نہیں۔ یہ تمام امور ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں سے ایک کا اقرار دوسرے کی قبولیت کو مستلزم ہے اور دوسرے کا انکار

(۱) النساء، ۴: ۶۱
(۲) النور، ۲۴: ۵۱
(۳) التوبة، ۹: ۶۳
(۴) المجادله، ۵۹: ۲۰
(۵) التوبة، ۹: ۲۹
(۶) الاحزاب، ۳۳: ۳۶

پہلے کا رد ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ دونوں میں سے کسی ایک کو قبول کرلیا جائے اور دوسرے کو رد۔ یہ تمام اصول اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہیں: ’’اور انہوں نے (یعنی یہود نے) اللہ کی وہ قدر نہ جانی جیسی قدر جاننا چاہیے تھی جب انہوں نے یہ کہہ (کر رسالتِ محمدی ﷺ کا انکار کر) دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز نہیں اتاری۔‘‘

’’یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اقرارِ رسالت و نبوت کے بغیر نہ تو اللہ تعالیٰ کی قدر اور عظمتِ اُلوہیت کو پانا ممکن ہے اور نہ اس کے بغیر قدر و عظمت کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ رسالت و نبوت وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی اُلوہیت کی معرفت کا تنہا واسطہ اور منفرد وسیلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کو بندوں تک پہنچانے اور اس کے احکام و اوامر کی اطاعت کی عملی صورت کے لئے بھی وسیلہ و واسطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رُسلِ عظام کو خالق سے شریعت لے کر مخلوق تک رسائی کے لئے منتخب فرمایا اور انہیں خالق سے عطائیں وصول کر کے مخلوق کے درمیان تقسیم کرنے کے لئے مختص فرمایا۔ انہیں خالق سے ساعت اور مخلوق کو بیان کا شرف بخشا۔ انہیں خالق کی طرف سے وحی لے کر مخلوق کو ہدایت دینے کا اعزاز تفویض کیا۔ ان (میں سے بعض انبیاء) کو کتاب ہدایت سے بھی نوازا اور ان کے طریقوں کو مخلوق کے لئے سنت بنا دیا۔ پس ضروری ہے کہ ہم رسالت کے واسطہ و معرفت، اسوۂ رسول کی حجیت اور اتباع کے ذریعے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں، توحید کا اقرار کریں اور الوہیت کی قدر جانیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اور ہر بشر کی (یہ) مجال نہیں کہ اللہ اس سے (براہِ راست) کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے (کسی کو شانِ نبوت سے سرفراز فرما دے) یا پردے کے پیچھے سے (بات کرے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے طورِ سینا پر کی) یا کسی فرشتے کو فرستادہ بنا کر بھیجے اور وہ اُس کے اِذن سے جو اللہ چاہے وحی کرے (الغرض عالمِ بشریت کے لئے خطابِ اِلٰہی کا واسطہ اور وسیلہ صرف نبی اور

رسول ہی ہو گا)، بیشک وہ بلند مرتبہ بڑی حکمت والا ہے۔‘‘

’’یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو واسطۂ نبوت و رسالت کے بغیر نہ تو عطا فرماتا ہے اور نہ اس کا کلام براہِ راست عالمِ بشریت اور انسانیت تک پہنچ سکتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو منتخب فرما کر اسے نبی بناتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے۔ وہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہو کر انسان کو مخاطب فرماتے ہیں اور بطور نائبِ باری تعالیٰ مخلوق سے کلام فرماتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے امر و نہی سے آگاہ فرماتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ خطابِ نبی کو اپنا خطاب، کلامِ نبی کو اپنا کلام، خبرِ رسول کو اپنی خبر، بیانِ نبی کو اپنا بیان، طاعتِ نبی کو اپنی طاعت، معصیتِ نبی کو اپنی معصیت، سنتِ نبی کو اپنا راستہ اور اتباعِ نبی ﷺ کو اپنی رہنمائی قرار دیتا ہے۔ اور ملائکہ نے بھی اسی چیز کا اعلان کیا جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: (کچھ فرشتے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا ......) ’’جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، محمد ﷺ اچھے اور برے لوگوں میں فرق کرنے والے ہیں۔‘‘ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔‘‘ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ’’اللہ خوب جانتا ہے کہ اسے اپنی رسالت کا محل کسے بنانا ہے۔‘‘ یہ اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ رسالت عظیم نعمت اور منزلِ رفیع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کسے اس مرتبہ پر فائز کرنا ہے اور کسے اپنی رسالت کا حقدار ٹھہرانا ہے کیونکہ:

’’**فرمانِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کے قول کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ

تعالیٰ کا فرمان ہے جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا: ”اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے ٥ اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتی ہے جو انہیں کی جاتی ہے ٥“

”**فعلِ رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کی طرح کا فعل نہیں بلکہ وہ تو اذنِ الٰہی سے صادر ہونے والا فعل ہے جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا: ”اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔“

”**صراطِ رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر میں سے کسی کے راستہ کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”اور یہ (اسلام ہی) آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے۔“

”**رضائے رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کی رضا کی طرح نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے (تو یہ حقیقت جان لیتے اور رسول ﷺ کو راضی کرتے، رسول ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہے)۔“

”**عطائے رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کی عطا کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا۔“

”**فضلِ رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کے فضل کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے، عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (ﷺ مزید) عطا فرمائے گا۔ بیشک ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں (اور رسول ﷺ اسی کا واسطہ اور وسیلہ ہے، اس کا دینا بھی اللہ ہی کا دینا ہے۔ اگر یہ عقیدہ رکھتے اور طعنہ زنی نہ

کرتے تو یہ بہتر ہوتا)۔“

”**غنائے رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کے غنا کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا غنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور وہ (اسلام اور رسول ﷺ کے عمل میں سے) اور کسی چیز کو ناپسند نہ کر سکے سوائے اس کے کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے اپنے فضل سے غنی کر دیا تھا۔“

”**انعامِ رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کے انعام کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جس پر اللہ نے انعام فرمایا تھا اور اس پر آپ نے (بھی) اِنعام فرمایا تھا۔“

”**ادبِ رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کے ادب کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا ادب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے ایمان والو! (کسی بھی معاملے میں) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو (کہ کہیں رسول ﷺ کی بے ادبی نہ ہوجائے)، بیشک اللہ (سب کچھ) سننے والا خوب جاننے والا ہے۔“

”**تعظیمِ رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کی تعظیم کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”بیشک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان (کے دین) کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرو، اور (ساتھ) اللہ کی صبح و شام تسبیح کرو ○“

”**بیعتِ رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کی بیعت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی بیعت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”(اے حبیب!) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں

پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔‘‘

’’**ندائے رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کے بلاوے کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا بلانا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’(اے مسلمانو!) تم رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مثل قرار نہ دو (جب رسولِ اکرم ﷺ کو بلانا تمہارے باہمی بلاوے کی مثل نہیں تو خود رسول ﷺ کی ذاتِ گرامی تمہاری مثل کیسے ہو سکتی ہے)۔‘‘

’’**ملکیتِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی ملکیت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’(اے نبیِّ مکرّم) آپ سے اموالِ غنیمت کی نسبت سوال کرتے ہیں فرما دیجئے: اموالِ غنیمت کے مالک اللہ اور رسول ہیں۔‘‘

’’**اطاعتِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی اطاعت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔‘‘ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ’’یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے اسے وہ بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔‘‘ اسی طرح فرمانِ الٰہی ہے: ’’اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کیا کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کیا کرو اور اپنے اعمال برباد مت کرو۔‘‘

’’**معصیتِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی معصیت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی معصیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلّت انگیز

عذاب ہے۔‘‘ اسی طرح فرمانِ الٰہی ہے: ’’مگر اللہ کی جانب سے اَحکامات اور اُس کے پیغامات کا پہنچانا (میری ذِمّہ داری ہے)، اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے تو بیشک اُس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔‘‘

’’**مخالفتِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی مخالفت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی مخالفت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے تو بیشک اللہ (اسے) سخت عذاب دینے والا ہے۔ ’’اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے شدید عداوت کی (ان کا سرغنہ کعب بن اشرف نامور گستاخِ رسول تھا)، اور جو شخص اللہ (اور رسول ﷺ کی) مخالفت کرتا ہے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔‘‘

’’**لاتعلقی رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی بیزاری و لاتعلقی کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی بیزاری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے بیزاری (و دست برداری) کا اعلان ہے ان مشرک لوگوں کی طرف جن سے تم نے (صلح و امن کا) معاہدہ کیا تھا (اور وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے تھے)۔‘‘

’’**اعلانِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کے اعلان کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’(یہ آیات) اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے تمام لوگوں کی طرف حجِ اکبر کے دن اعلانِ (عام) ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے اور اس کا رسول (ﷺ) بھی (ان سے بری الذّمہ ہے)۔‘‘

’’**اذیتِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی اذیت دینے کی مثل نہیں بلکہ وہ تو

اللہ تعالیٰ کو اذیت دینا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور اُس نے ان کے لئے ذِلّت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

”**غضِ صوت عند الرسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کی تکریم کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دلوں کا تقویٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”بیشک جو لوگ رسول (ﷺ) کی بارگاہ میں (ادب و نیاز کے باعث) اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چُن کر خالص کر لیا ہے۔ ان ہی کے لئے بخشش ہے اور اجرِ عظیم ہے۔“

”**محبتِ رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کی محبت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی محبت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکمِ (عذاب) لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔“

”**اتباعِ رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کے اتباع کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی طرف سے مغفرت کا باعث ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔“

”**دعوت الی الرسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کی طرف دعوت کی مثل نہیں

بلکہ وہ تو دعوت الی اللہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف آجاؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ (کی طرف رجوع کرنے) سے گریزاں رہتے ہیں۔‘‘اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ’’جب انہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو وہ یہی کچھ کہیں کہ ہم نے سن لیا، اور ہم (سراپا) اطاعت پیرا ہو گئے۔‘‘

’’**محادت و عداوتِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی محادت و عداوت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی محادت و مخالفت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ (مقرر) ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے، یہ زبردست رسوائی ہے۔‘‘ ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ’’بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) سے عداوت رکھتے ہیں وہی ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔‘‘

’’**تحریم رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی تحریم کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی تحریم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام قرار دیا ہے۔‘‘

’’**قضاءِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کے قضاء و حکم یا فیصلہ کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اور نہ کسی مؤمن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مؤمن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو ان کے لئے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو۔‘‘

حضور ﷺ احکام میں اللہ تعالیٰ کے قائم مقام ہیں

(علامہ ابنِ تیمیہ کا مؤقف)

مندرجہ بالا مضمون کی تائید علامہ ابنِ تیمیہ نے بھی کی ہے۔ علامہ موصوف نے اپنی کتاب ''الرسالۃ التدمّریۃ'' میں اسی طرح تسلسل کے ساتھ ان صفات کا تذکرہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور مخلوق بالخصوص حضور نبی اکرم ﷺ کے درمیان مشترک ہیں۔ اس بحث کو ہم آئندہ باب ۱۰ کے آخر میں درج کر رہے ہیں۔ یہاں ہم موضوع زیرِ بحث سے متعلق علامہ ابن تیمیہ کی مشہور زمانہ کتاب ''الصارم المسلول'' کا اقتباس پیش کر رہے ہیں جس میں انہوں نے قرآنی آیات کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ امر و نہی جیسے احکامِ الٰہیہ میں اللہ کے نائب ہیں، وہ لکھتے ہیں:

أنه قَرَن أذاه بأذاه كما قَرَن طاعته بطاعته، فمن آذاه فقد آذى الله تعالى، و قد جاء ذلک منصوصًا عنه، و من آذى الله فهو كافرٌ حلالُ الدَّمِ، يُبيّنُ ذلک أنَّ الله تعالى جَعَلَ محبة اللهِ و رسولِهِ و إرضاءَ الله و رسولِه و طاعةَ اللهِ و رسولِهِ شيئًا واحدًا. فقال تعالى: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ [التوبة، ۹: ۲۴] و قال تعالى: ﴿وَ اَطِيْعُوا اللهَ وَ الرَّسُوْلَ﴾ [آل عمران، ۳: ۱۳۲] في مواضع متعددة و قال تعالى: ﴿وَ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ﴾ [التوبة، ۹: ۶۲] فوحَّدَ الضمير، و قال أيضًا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَکَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللهَ﴾ [الفتح، ۴۸: ۱۰] و قال أيضًا: ﴿يَسْأَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [الانفال، ۸: ۱]

و جعل شِقَاقَ الله و رسوله و محادَّةَ الله و رسوله و أذى الله و رسوله و معصيَةَ الله و رسوله شيئًا واحدًا، فقال: ﴿ذَالِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ [الانفال، ۸: ۱۳] و قال: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ [المجادلة، ۵۸: ۲۰] و قال تعالى: ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ [التوبة، ۹: ۶۳] و قال: ﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ [النساء، ۴: ۱۴].

حق الله و حق رسوله متلازمان

و في هذا وغيره بيان لتلازم الحقين و أن جهة حرمة الله تعالى و رسوله جهة واحدة، فمن آذى الرسول فقد آذى الله، و من أطاعه فقد أطاع الله، لأن الأمَّةَ لا يَصِلُون ما بينهم و بين ربهم إلّا بواسطة الرسول، ليس لأحدٍ منهم طريقٌ غيرهُ، ولا سببٌ سواه، و قد أقامه الله مقامَ نفسِهِ في أمرِهِ و نَهْيِهِ و إخبارِهِ و بيانِهِ، فلا يجوز أن يُفَرَّقَ بين الله و رسوله في شيءٍ من هذه الأمور.[1]

’’اللہ رب العزت نے اپنی ایذا کو حضور نبی اکرم ﷺ کی ایذا اور اپنی اطاعت کو آپ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ متصل جوڑ کر ایک چیز بنا دیا، احادیثِ مبارکہ میں بطورِ نص آپ ﷺ سے منقول ہے، اور جو شخص اللہ کو ایذا دے وہ کافر اور مباح الدم ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت، اپنی رضا مندی اور نبی اکرم ﷺ کی رضا مندی اور اپنی اطاعت اور حضور ﷺ کی اطاعت کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔ (اور ان کے درمیان ہر قسم کے فرق اور تفریق کو ختم کر دیا ہے) پس ارشادِ باری

(۱) ابن تیمیه، الصارم المسلول علی شاتم الرسول: ۴۵۔۴۶

تعالیٰ ہے: ’’(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں۔‘‘

’’اور باری تعالیٰ نے فرمایا: ’’اور اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرتے رہو۔‘‘ اس طرح کے ارشادات قرآن مجید میں متعدد مقامات میں فرمائے ہیں۔ اور فرمایا: ’’اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کیا جائے (رسول ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہے)۔‘‘

’’اس آیتِ کریمہ یُرْضُوْہُ میں اللہ اور رسول ﷺ کے لئے ضمیر واحد لائی گئی ہے (تاکہ کوئی دوئی، غیریت اور ثنویت نہ رہے)

’’پھر ارشاد فرمایا: ’’(اے حبیب!) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔‘‘

’’اور فرمایا: ’’(اے نبی مکرم!) آپ سے اموالِ غنیمت کی نسبت سوال کرتے ہیں فرما دیجئے: اموالِ غنیمت کے مالک اللہ اور رسول ﷺ ہیں۔‘‘

’’اسی طرح اللہ تعالیٰ نے (ان آیات میں) اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت، اللہ اور رسول ﷺ کی عداوت، اللہ اور رسول ﷺ کی اذیت اور اللہ اور رسول ﷺ کی معصیت و نافرمانی کو ایک ہی چیز قرار دیا۔ پس فرمایا: ’’یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے۔‘‘

’’اور فرمایا: ’’بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عداوت رکھتے

ہیں۔‘‘

’’پھر فرمایا: ’’جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتا ہے۔‘‘

’’اور فرمایا: ’’اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے۔‘‘

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق باہم لازم و ملزوم ہیں

’’مذکورہ بالا آیات اور اس طرح کی دیگر آیات میں یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حق باہم لازم و ملزوم ہیں۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی عزت و حرمت کو ایک ہی حرمت قرار دیا ہے پس جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی، اور جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس لئے کہ امت میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا سوائے واسطۂ رسول ﷺ کے۔ واسطۂ رسول ﷺ کے علاوہ تعلق باللہ استوار کرنے کا کسی کے پاس کوئی اور راستہ اور سبب نہیں اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنا قائم مقام بنایا ہے، امر و نہی میں علم کی خبر دینے اور بیان کرنے میں۔ پس ان امور میں سے کسی ایک میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان تفریق اور دوئی جائز نہیں۔‘‘

اسی باب میں قاضی عیاض نے ’’الشفاء‘‘ میں سیدنا امام جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ عنہ کا درج ذیل قول نقل فرمایا ہے:

عَلِمَ اللہُ عجزَ خلقهِ عن طاعتهِ فصَّرفهم ذالک، لکی یعلموا أنّهم لا ینالون الصفو مِن خدمتهِ، فأقام بینهم و بینهٗ مخلوقاً مِن جِنسِهم فی الصُّورة و ألْبسهٗ مِنْ نَعتِهِ الرأفَةَ و الرحمةَ و أخرجَهٗ الی الخلقِ سفیراً صادقاً و جَعَل طاعتَهٗ طاعتَهٗ و موافقتَهٗ موافقتَهٗ. فقال تعالی: ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰) و قال اللہ تعالی:

(۱) قاضی عیاض، الشفاء، ۱:۱۶

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبياء: ۱۰۷).[1]

’’حضرت امام جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اس کی اطاعت میں عاجز دیکھا تو ان کو اس کی معرفت کرائی تاکہ وہ جان لیں کہ وہ اس کی خدمت و عبادت صفائی قلب کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اور ان کے درمیان صورتاً مماثلت کر کے ان کی جنس میں سے ایک مخلوق (انبیاء کرام علیہم السلام) پیدا فرمائی اور ان کو اپنی صفتِ رأفت و رحمت سے نوازا اور اس مخلوق (انبیاء کرام علیہم السلام) کو ان لوگوں کے لئے سفیر و واسطہ اور پیامبر بنایا اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور ان کی موفقت کو اپنی موافقت کہا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔‘‘

’’ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

’’اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔‘‘

www.MinhajBooks.com

تصورِ شرک

اور

چند اہم توضیحات

۱۔ توحید و شرک اور حقیقت و مجاز کا قرآنی تصور

۲۔ توحید و شرک اور صفات و افعال میں اشتراک

۳۔ توحید کے تناظر میں ’’مِنْ دُوْنِ اللهِ‘‘ کا صحیح مفہوم

۴۔ توحید کے تناظر میں ’’وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ‘‘ کا صحیح مفہوم

۵۔ تعظیم اور عبادت میں فرق

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

باب نہم

توحید و شرک

اور

حقیقت و مجاز کا قرآنی تصوّر

www.MinhajBooks.com

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شریعت میں کسی لفظ کا استعمال اور اس کا کسی امر پر اطلاق بطریقِ حقیقت بھی جائز ہے اور بطریقِ مجاز بھی۔ مگر اس شرط کو ملحوظ رکھنا ہو گا کہ مجاز کا استعمال وہاں کیا جائے جہاں مجاز کا محل ہو۔ ہم اپنی روزمرہ کی گفتگو میں بہت سے امور میں حقیقت و مجاز کے الفاظ کا استعمال کرتے رہتے ہیں اور ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً اگر کسی کا بچہ جاں بہ لب ہو اور ڈاکٹر کے علاج سے اس کی جان بچ گئی تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں ڈاکٹر کے اعجازِ مسیحائی نے میرے بچے کو موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا۔ اس اندازِ گفتگو میں حقیقت اور مجاز دونوں بیان ہوئے ہیں۔ درحقیقت بچانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے مگر ڈاکٹر شفایابی کا وسیلہ اور ذریعہ بن گیا۔ اس طرح ایک اور مثال کسی ڈرائیور کی ہے، جس کی گاڑی کے نیچے آ کر حادثاتی طور پر بچہ کچلا گیا اور باپ کہنے لگا کہ اس ڈرائیور نے میرے بچے کو مار دیا حالانکہ ڈرائیور محض بچے کی حادثاتی موت کا ذمہ دار ہوتا ہے اور حقیقت میں مارنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ایسے امور میں حقیقت اور مجاز پر مبنی دونوں الفاظ بولے جاتے ہیں۔ پس دینا، لینا، مارنا، جلانا وغیرہ تمام امور میں حقیقت و مجاز کا استعمال ایک معمول کی بات ہے۔

ا۔ حقیقت ومجاز کے لئے بعض الفاظ کا استعمال

اس ضمن میں بعض الفاظ توسُّل کے پیرائے میں بول دیے جاتے ہیں اور اس سے توکُّل مراد نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی کی نسبت کہہ دیا جاتا ہے کہ ”آپ کی نظرِ کرم، نگاہِ عنایت و توجہ سے میری زندگی کے شب و روز کٹ رہے ہیں“ تو یہ الفاظ مجاز وتوسل کے معنی میں ہیں حقیقت کے معنی میں نہیں۔ اس طرح کے بے شمار کلمات، اشعار اور جملے بمعنی توسل بیان ہوتے ہیں بمعنی توکل نہیں۔ حتی کہ اگر کوئی لفظ استعانت اور استغاثہ کے طور پر

حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی استعمال ہوگا تو وہ بھی توسّل کے معنی میں ہوگا توکّل کے معنی میں نہیں کیونکہ توکل کا اطلاق مستعانِ حقیقی اور فاعلِ حقیقی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ کریمانہ ہے اور اسی کی طرف سب امور لوٹائے جاتے ہیں۔

۲۔ عبادت میں حقیقی اور مجازی کی تقسیم جائز نہیں

سورۃ الفاتحہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ○

’’(اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں○‘‘

اس آیتِ کریمہ کے حوالے سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس فرمانِ الٰہی کی موجودگی میں ہمارے لئے کسی اور سے مدد لینا جائز نہیں کیونکہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور حقیقی معین و مددگار اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھتے اور مانتے ہیں تو کسی غیر سے مدد لینے کا کیا جواز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف عبادت ایک ایسا عمل ہے جس میں حقیقی، مجازی اور استعاراتی تقسیم نہیں کی جاتی۔ عبادت میں سرے سے حقیقت اور مجاز کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس میں مجاز کا سوال ہی خارج از بحث ہے کیونکہ عبادت یا تو عبادت ہے یا پھر نہیں ہے۔ جبکہ استغاثہ یعنی مدد میں عبادت سے کوئی مماثلت نہیں پائی جاتی، اس کو دو درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ استغاثہ حقیقی

۲۔ استغاثہ مجازی

www.MinhajBooks.com

نظامِ زندگی باہمی مدد و استعانت کے سہارے چل رہا ہے

اس تقسیم کو بہرحال ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے اس طبعی اور مادی دنیا میں زندگی کا انحصار انسانوں کے ایک دوسرے سے باہمی تعامل وتعاون پر رکھا

ہے۔ جہاں ایک دوسرے کی مدد کرنا بھی پڑتی ہے اور مدد لینا بھی پڑتی ہے۔ ہمارے سامنے حضور نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ بطور معیار موجود ہے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کی مدد کی، انہیں کفر وشرک کے اندھیروں سے باہر نکالا اور انسانی زندگی کو اخلاقِ عالیہ سے سنوارا تاکہ وہ نیکو کار انسان، بھلے اور اچھے مسلمان بن جائیں۔ گویا یہ اس امر کی تعلیم ہے کہ امتِ مسلمہ کے افراد کو ایک دوسرے کی مدد کرنا، نصیحت اور خیر خواہی پر مبنی سلوک کرنا عملی طور پر ان کی مدد و استعانت ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے استاد اپنے شاگردوں کی، والدین اپنے بچوں کی، بزرگ نوجوانوں کی اور بھائی بہنوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے ضروری ہے کہ طاقتور کمزور کی مدد کرے، حاکم رعایا کی اور ہمسایہ پڑوسی کی۔ جب تمام دینی اور دنیاوی نظام اس باہمی مدد و استعانت کے سہارے پر چل رہے ہیں تو کس منطق سے اسے شرک تصور کیا جائے؟ اگر ایسا ہو تو پھر یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے اور عقیدۂ توحید محض مذاق بن کر رہ جائے۔

ملائکہ کو بھی نیابت کے امور سونپے گئے ہیں

فی الحقیقت یہ تمام کائنات ایک دوسرے کی مدد و استعانت کی زنجیر میں بندھی ہوئی ہے انسان تو انسان، ملائکہ کو بھی نیابت کے امور سونپے جاتے ہیں جنہیں قرآن نے مُدَبِّراتُ الْاَمْر سے موسوم کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ (۱)

”پھر ان (فرشتوں) کی قسم جو مختلف امور کی تدبیر کرتے ہیں ۝“

یہ سب ایک نظام کے تحت ہے جس کے مطابق باہمی مدد و استعانت جائز ہے۔ اس اصول کی روشنی میں انبیاء اور اولیاء سے استعانت کا جواز خود بخود فراہم ہو جاتا ہے۔

(۱) النازعات، ۷۹:۵

۳۔ حقیقت و مجاز کے اطلاق کی ممکنہ صورتیں

عملی زندگی میں حقیقت و مجاز کے اطلاق کی ممکنہ صورتیں تین ہوسکتی ہیں:

۱۔ بعض ایسے امور ہیں جن میں حقیقت و مجاز کی تقسیم قابلِ عمل نہیں۔ ان مبنی بر حقیقت امور میں کسی امر کے لئے مجاز ثابت کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ اس کی ایک مثال عبادت کی ہم دے چکے ہیں جس میں حقیقی اور مجازی کی تقسیم جائز نہیں۔

۲۔ بعض ایسے امور ہیں جن میں حقیقت و مجاز کی تقسیم ممکن تو ہے مگر تقسیم کی ضرورت اس لئے نہیں پڑتی کہ جو امور اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں وہ اس کی شان کے لائق ہیں اور اسی طرح جو امور مخلوق کے لئے ثابت ہیں وہ ان کے حسبِ حال ہیں۔

۳۔ بعض امور ایسے ہیں جن کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ہے اور مخلوق کے لئے بھی مگر جب ان کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہوگی تو وہ حقیقی معنی میں ہوں گے اور جب مخلوق کے لئے ہوں گے تو وہ مجازی معنی میں ہوں گے جیسے انبیاء و اولیاء سے مدد طلب کرنا وغیرہ۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ بعض لوگ توحید سے متعلق چند آیات سیاق و سباق سے جدا کر کے لے لیتے ہیں اور ان کا اطلاق ایسے امور پر بھی کر دیتے ہیں جہاں حقیقت و مجاز کی تقسیم لازم ہے۔ اس سے لامحالہ مغالطہ پیدا ہوتا ہے پس ضروری ہے کہ ہم حقیقت و مجاز پر مبنی ہر حکم کو اس کی حقیقت اور حیثیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دیکھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ یہاں پر قرآن مجید کی آیات سے حقیقت و مجاز کے استعمال اور اطلاق کے نمونہ کی آیات ملاحظہ کیجئے۔

۴۔ حقیقت و مجاز کا اطلاق قرآن حکیم کی روشنی میں

۱۔ لفظِ ’’خَلق‘‘ کا استعمال اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کے لئے

قرآنِ حکیم میں بعض مقامات پر حقیقت و مجاز کا صراحۃً استعمال کیا گیا ہے اللہ

تعالیٰ نے فرمایا:

اَ لَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط(۱)

’’خبردار! (ہر چیز کی) تخلیق اور حکم و تدبیر کا نظام چلانا اسی کا کام ہے۔‘‘

دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے:

اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ. (۲)

’’میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پتلا) بناتا ہوں۔‘‘

پہلی آیتِ کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنے لئے ’’خَلْق‘‘ اور دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے لئے ’’خَلْق‘‘ کا لفظ استعمال کیا۔ یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی ضروری ہے کہ لفظِ ’’خَلق‘‘ پہلی جگہ حقیقی معنی میں اور دوسری جگہ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

یہ اسلوبِ قرآنی ہے کہ کبھی فعل کو دن کی طرف، کبھی زمانے کی طرف، کبھی حالات کی طرف اور کبھی کسی برگزیدہ بندے کی طرف منسوب کر دیتا ہے جیسے اللہ عزوجل کا برگزیدہ بندہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر زندگی، بینائی اور شفا کا وسیلہ بنے تو ان صفات کو ان کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان ہے کہ وہی کسی کو زندگی، موت اور شفا دیتا ہے۔ وہی کسی کو ہدایت دیتا ہے اور کسی کا مقدر گمراہی ٹھہرا دیتا ہے۔ کلام کے اس اسلوب کو کوئی نادان ہی شرک پر محمول کرے گا۔

۲۔ لفظِ وَهَّاب کا حقیقی اور مجازی استعمال

حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت گاہ کا توسلِ مکانی کرتے ہوئے اپنے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے دعا مانگی، اس دُعا کے الفاظ یہ ہیں:

(۱) الاعراف، ۷:۵۴

(۲) آل عمران، ۳:۴۹

قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ج اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ○ (۱)

’’عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے○‘‘

دُعا کے الفاظ میں رَبِّ هَبْ لِیْ مذکور ہے جس سے اللہ رب العزت کی شانِ عطا کا بیان ہو رہا ہے۔

اَلْوَهَّابُ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی نام سے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا مانگی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ م بَعْدِیْ ج اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ○ (۲)

’’عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے، اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو میسّر نہ ہو، بیشک تو ہی بڑا عطا فرمانے والا ہے○‘‘

اللہ تعالیٰ کو ’’اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ‘‘ اے رب! ’’بے شک تو ہی وہاب ہے‘‘ کہہ کر پکارا جائے تو وہ اپنے خزانہ غیب سے بے نواؤں کو جھولیاں بھر بھر کر نعمتیں عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حقیقی معنوں میں وہاب ہے مگر اس کے وہاب ہونے کی اس صفت کی مجازاً مخلوق کی طرف نسبت بھی جائز ہے جب حضرت جرائیل علیہ السلام حضرت مریم علیہما السلام کے پاس انسانی شکل و صورت میں آئے تو آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ کیوں آئے ہو؟ حضرت جرائیل علیہ السلام نے جواب میں کہا:

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ صلے لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا○ (۳)

(۱) آل عمران، ۳:۳۸

(۲) ص، ۳۸:۳۵

(۳) مریم، ۱۹:۱۹

’’میں تو فقط تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، (اس لئے آیا ہوں) کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروںo‘‘

قرآن حکیم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بصورتِ بشری اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مقبول بندی حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آنے کو بیان کیا کہ وہ ان کی خلوت گاہ میں حاضر ہو کر گویا ہوئے:

’’میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔‘‘

صیغۂ واحد متکلم لِاَهَبَ لَکِ کا مفہوم یہ ہے کہ میں ’’آپ کو عطا کروں۔‘‘

حضرت مریم علیہا السلام کو جبریل امین علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میں تمہیں بیٹا دینے آیا ہوں صرف مجازی معنوں میں ہے کیونکہ حقیقت میں بیٹا دینے والا اللہ رب العزت ہے۔ یہاں جبریلِ امین علیہ السلام بیٹا دینے اور خوشخبری سنانے کا وسیلہ بنے اگرچہ بظاہر انہوں نے یہ عمل اللہ تعالیٰ کی جانب سے مامور کیے جانے پر اپنی طرف منسوب کیا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو اپنا پیغام رساں بنا کر بھیجتا ہے تو اسے اس کام کی ہمت اور طاقت بھی عطا فرماتا ہے۔

مجازی معنی میں جبرائیل علیہ السلام بھی اس لئے وھاب ہیں کہ وھاب اسے کہتے ہیں جو کسی کو کچھ دیتا ہے۔ گو وھاب، اللہ کی صفت ہے اور حقیقت میں وہی ہر نعمت کا دینے والا ہے لیکن اگر مجازی معنوں میں کسی کو وھاب کہہ دیا جائے تو یہ شرک نہ ہوگا۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے جب اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ اللہ کا فرستادہ (رسول) بن کر جو کچھ کہا وہ شرک نہ ہوا اس لیے کہ رب کا نمائندہ بن کر جو کچھ عطا کیا وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن سے اسی کی عطا ہے۔

۳۔ لفظِ رب کا حقیقی اور مجازی استعمال

رب اللہ تعالیٰ کا پہلا صفاتی نام ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی پہلی سورت، سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت میں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○[1]

’’سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے ○‘‘

یہ ذہن نشین رہے کہ لفظِ رب ایک واضح قطعی اور حتمی صفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو قرآن مجید میں جا بجا متعارف کرایا ہے۔

لیکن اسی لفظِ رب کو حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہِ مصر کے لئے بھی استعمال کیا۔ ان کی اس گفتگو کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًاۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ○ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَؗ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ○[2]

’’اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک (کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ وہ) اپنے مربی (یعنی بادشاہ) کو شراب پلایا کرے گا اور رہا دوسرا (جس نے سر پر روٹیاں دیکھی ہیں) تو وہ پھانسی دیا جائے گا پھر پرندے اس کے سر سے (گوشت نوچ کر) کھائیں گے، (قطعی) فیصلہ کر دیا گیا جس کے بارے میں تم دریافت کرتے ہو ○ اور یوسف (علیہ السلام) نے اس شخص سے کہا

(۱) الفاتحۃ، ۱:۱

(۲) یوسف، ۱۲:۴۱۔۴۲

جسے ان دونوں میں سے رہائی پانے والا سمجھا کہ اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کر دینا (شاید اسے یاد آ جائے کہ ایک اور بے گناہ بھی قید میں ہے) مگر شیطان نے اسے اپنے بادشاہ کے پاس (وہ) ذکر کرنا بھلا دیا نتیجتاً یوسف (علیہ السلام) کئی سال تک قید خانہ میں ٹھہرے رہے o‘‘

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں ہے کہ دو افراد حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانے میں اسیر تھے اور انہوں نے خواب دیکھ کر اپنا خواب سیدنا یوسف علیہ السلام کو سنایا اور اس کی تعبیر چاہی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیرِ خواب بتا دی ان میں سے ایک کو کہا کہ وہ اپنے رب یعنی بادشاہ کو شراب پلایا کرے گا اور اسی رہائی پانے والے شخص سے یہ بھی کہا کہ مجھے ایک معینہ مدت کے لئے قید میں ڈالا گیا تھا جو گزر گئی ہے تم قید سے رہائی پانے کے بعد اپنے رب یعنی آقا سے جو مجھے بھول گیا ہے میرا ذکر کرنا کہ میں مدتِ قید پوری کرنے کے بعد بھی جیل میں پڑا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سیدنا یوسف علیہ السلام نے مذکورہ قیدی سے بادشاہِ مصر کا ذکر کرتے ہوئے دو مرتبہ لفظِ رب استعمال کیا حالانکہ یہ علاقائی زبان میں روز مرہ گفتگو کا لفظ تھا اور رہائی پانے والے قیدیوں میں متداول نہ تھا، وہ اسے بادشاہ اور آقا وغیرہ کہتے تھے اور حقیقی معنوں میں یہی کہنا چاہیئے تھا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر نے استعاراتی اور مجازی معنی میں لفظِ ’’رب‘‘ بادشاہ کے لئے استعمال کیا جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کسی کو مجازی طور پر رب کہنا بھی شرک نہیں۔

پھر یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس لفظ کی ممانعت میں صراحتاً اور وضاحتاً کچھ نہیں کہا اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت سمجھی کیونکہ اس علاقے کی روزمرہ زبان میں بادشاہ کے لئے ’’رب‘‘ کا لفظ استعمال کرنا معمول بن چکا تھا۔ اس قسم کی وضاحت طلب کرنا ان لوگوں کا کام ہے جن کا شعار ہی لفظوں کی کھال اتار کر لوگوں کو خواہ مخواہ شرک سے مطعون کرنا ہے۔

آگے قرآن مجید میں رہائی پانے والے قیدی کے حوالے سے بیان ہے کہ

اسے بھی شیطان نے بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا۔ اس مقام پر اللہ رب العزت نے خود بھی بادشاہ کے لئے لفظِ ''رب'' ارشاد فرمایا ہے جو آیت کے الفاظ ذِکْرَ رَبِّهٖ سے واضح ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ حقیقی رب اللہ تعالیٰ نے عزیزِ مصر یا بادشاہِ مصر جو ایک عام انسان تھا کے لئے اپنی صفت ''رب'' کا استعمال مجازاً فرمایا تو کسی مربی کو رب کہنا شرک نہیں ہوتا ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہرگز بادشاہِ مصر کو قرآن میں ''رب'' کے لفظ سے نہ پکارتا۔

اسی طرح مجازی معنی میں والدین اپنی اولاد کے لئے بمنزلہ رب ہیں کہ وہ ان کی پرورش کے ذمے دار ہیں۔ والدین کے حق میں ایک دعائیہ التجا کی قرآن مجید نے تلقین کی ہے جو اس طرح ہے:

وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○(۱)

''اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو اے میرے رب! ان دونوں (میرے والد اور والدہ) پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت وشفقت سے) پالا تھا○''

اس دعا میں کائنات کے خالق و مالک پروردگار سے التجا کی جا رہی ہے کہ اے میرے رب تو میرے والدین کو اپنے رحم اور لطف و کرم سے اس طرح نواز جس طرح وہ صغرِ سنی میں میرے لئے رب (پرورش کرنے والے) بنے، شیر خوارگی اور طفلی کے ان ایام میں انہوں نے مجھے پالا پوسا اور اپنی ربوبیت کے دامن میں لے لیا اور میری ضروریات و حاجات کو پورا کرتے رہے۔ اس آیتِ کریمہ میں رَبَّيٰنِيْ کے الفاظ قابلِ غور ہے جس کی تلقین خود رب العالمین نے فرمائی ہے۔

لفظِ رب اسی طرح اساتذہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی روحانی اور اخلاقی پرورش اور تربیت کے ذمہ دار ہیں۔ رب ہونے کے یہ معانی مجازی و استعاراتی ہیں۔ مفہوم بدل جانے سے ایسا کہنے میں شرک کا کوئی احتمال اور شائبہ نہیں رہتا۔

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷:۲۴

ایک سبق آموز علمی نکتہ

قرآن کی رو سے جیسے بادشاہ کے لئے رب کا لفظ مجازاً کہہ دینے سے وہ حقیقی رب نہیں بن جاتا۔ اسی طرح سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو غوث الاعظم اور حضرت علی ہجویریؒ کو داتا گنج بخش کہہ دینے سے شرک نہیں ہوتا کیونکہ غوث اور داتا رب سے بڑے الفاظ نہیں ہیں جو مجازاً بول دیے جاتے ہیں۔ اس طرح ''یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ اور یَارَسُوْلَ اللهِ اُنْظُرْ حَالَنَا '' حضور ﷺ سے توسل اور استغاثہ کے لئے مجازی معانی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اس سے وہ حقیقی معنی مراد نہیں لئے جاتے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کیلئے خاص ہیں۔

۴۔ ایمان میں زیادتی کی نسبت آیاتِ الٰہی کی طرف

ایمان میں زیادتی کا حقیقی مسبّب اللہ رب العزت کی ذات وحدہ لاشریک ہے مگر بعض آیاتِ قرآنی میں ایمان کی زیادتی کو خود آیاتِ قرآنی ہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○(۱)

''اور جب ان پر اس (اللہ) کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلامِ محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے)○''

یہاں ان آیات کی طرف ایمان میں زیادتی کی نسبت مجاز عقلی ہے کیونکہ ایمان میں زیادتی کا سبب درحقیقت خود اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ آیتیں محض ایمان بڑھانے کا ذریعہ اور سبب بنتی ہیں۔

(۱) الانفال، ۸:۲

۵۔ حقیقتاً ھادِی اور مُضِل ذاتِ باری تعالیٰ ہے

قرآن مجید نے انتہائی بلیغ انداز سے ایک اہم بات سورۃ البقرۃ کی آیت میں صراحت سے بیان کر دی ہے۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ط فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ج وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا م يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ط وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَo(۱)

’’بے شک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ (سمجھانے کے لئے) کوئی بھی مثال بیان فرمائے (خواہ) مچھر کی ہو یا (ایسی چیز کی جو حقارت میں) اس سے بھی بڑھ کر ہو، تو جو لوگ ایمان لائے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال ان کے رب کی طرف سے حق (کی نشاندہی) ہے، اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ (اسے سن کر یہ) کہتے ہیں کہ ایسی تمثیل سے اللہ کو کیا سروکار؟ (اس طرح) اللہ ایک ہی بات کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے، اور اس سے صرف انہی کو گمراہی میں ڈالتا ہے جو (پہلے ہی) نافرمان ہیںo‘‘

اللہ کی ذات ہی ھَادِی اور مُضِل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہ بھی اللہ رب العزت کے صفاتی اسماء ہیں۔ ہدایت سے سرفراز کرنا اور شامتِ اعمال سے گمراہی میں مبتلا کر دینا صفاتِ الٰہیہ ہیں۔

جس طرح یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات ہیں اس طرح ان کا اطلاق انسانوں پر بھی کیا جا سکتا ہے جو بعض کو ہدایت سے ہمکنار اور بعض کو ضلالت وگمراہی سے دوچار

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۶

کر دیتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ ہادی ہیں، اس بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍo(۱)

’’اور بے شک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیںo‘‘

جبکہ مضلین (گمراہ کرنے والوں) کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ قَدْ اَضَلُّوْا کَثِیْرًا ۚ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًاo(۲)

’’اور واقعی انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا، سو (اے میرے رب!) تو (بھی ان) ظالموں کو سوائے گمراہی کے (کسی اور چیز میں) نہ بڑھاo‘‘

سورۂ نوح کی اس آیت میں کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے بہت ساروں کو گمراہ کیا ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو گمراہ تو وہ خود ہو رہے ہیں دوسروں کو کیا گمراہ کریں گے۔ اس آیت سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہدایت دینے کی طرح گمراہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جسے ان گمراہوں سے اس لئے منسوب کیا گیا کہ وہ گمراہی کا وسیلہ اور ذریعہ بن رہے ہیں اس لئے یہ لفظ مجازاً ان کے لئے استعمال ہوا ہے۔

آگے اسی سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی اللہ کے حضور التجا کا ذکر ہے:

اِنَّکَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَ لَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًاo(۳)

’’بیشک اگر تو اُنہیں (زندہ) چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے، اور وہ بدکار (اور) سخت کافر اولاد کے سوا کسی کو جنم نہیں دیں گےo‘‘

حضرت نوح علیہ السلام عرض گزار ہیں کہ اے رب کریم! اگر ان کو ڈھیل دی گئی تو یہ راہ راست پر نہیں آئیں گے اور اپنی اولاد کو ورثہ میں گمراہی کے سوا کچھ نہیں دیں گے۔

(۱) الشوریٰ، ۴۲:۵۲

(۲) نوح، ۷۱:۲۴

(۳) نوح، ۷۱:۲۷

یعنی اس آیت کریمہ میں بھی ان گمراہوں کو مضل کہا حالانکہ گمراہ تو حقیقتاً اللہ تعالیٰ ٹھہراتا ہے مگر چونکہ وہ گمراہی کا سبب بنتے ہیں اس لئے اِضلال کی نسبت ان کی طرف کی گئی۔

۶۔ فعل ''یَجۡعَلُ'' کی نسبت یومِ حساب کی طرف

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَکَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبَا۟ۙ(۱)

''اگر تم کفر کرتے رہو تو اُس دن (کے عذاب) سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔''

یومِ حساب کی ہولناکیوں کے حوالے سے قرآن مجید نے بیان کیا کہ وہ دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ یہاں دن کو بوڑھا کر دینے کا سبب قرار دیا گیا ہے حالانکہ قیامت کی ہولناکیاں، حساب و کتاب، غم و اندوہ اور خوف انسان کو بوڑھا کر دینے کا سبب بنیں گے جو مُسبَّب ہیں اور ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس آیت میں مسبِّب کی بجائے سبب کو بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کے اسلوبِ بیان سے پتا چلا کہ استعاراتی اور مجازی معنی میں کسی چیز کو بیان کرنا جائز ہے اور مسبب کی بجائے سبب کی طرف کسی چیز کو منسوب کرنا شرک نہیں ہوتا۔

۷۔ عام معاشرتی زندگی میں حقیقت و مجاز کا استعمال

ہماری روزمرہ زندگی کا مشاہدہ ہے کہ بعض لوگ اپنے اختیارات کسی دوسرے شخص کو سونپ دیتے ہیں جس کو بروئے کار لا کر مختلف لوگوں سے کام کرائے جاتے ہیں مثلاً ٹھیکیدار کسی سڑک اور عمارت کا کام مزدوروں سے کرواتا ہے تو محاورۃً بول دیا جاتا ہے کہ فلاں نے یہ عمارت بنائی اور فلاں کام سرانجام دیا حالانکہ درحقیقت کرنے والے کوئی اور لوگ ہوتے ہیں۔ اس روزمرہ کے معمول کے محاورہ کو قرآن نے بھی استعمال کیا ہے

(۱) المزمل، ۷۳:۱۷

جیسے فرعون نے ہامان کو یہ حکم دیا:

یٰهَامَانُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا.(۱)

’’اے ہامان! تو میرے لئے ایک اونچا محل بنا دے۔‘‘

اس میں ہامان کی طرف عمارت بنانے کی نسبت مجازِ عقلی ہے کیونکہ وہ سبب اور حکم دینے والا ہے خود بنانے والا نہیں۔ حقیقت میں بنانے والے تو اس کے عُمّال اور مزدور ہیں۔ احادیثِ مبارکہ میں بھی اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، حقیقی و مجازی کے فرق سے آشنا شخص ان کو بہ خوبی جانتا ہے۔

صحیح عقیدہ یہی ہے کہ بندوں کا اور ان کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر فعل اور ہر امر میں نتیجہ خیزی کی باعث اللہ ہی کی ذات ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی خواہ اس کا شمار زندوں میں ہو یا فوت شدہ لوگوں میں، کسی چیز میں دخیل و کفیل نہیں۔ یہی عقیدہ خالص توحید ہے اور اس کے علاوہ اگر کوئی اور عقیدہ رکھتا ہے تو وہ شرک میں مبتلا ہے۔

۸۔ افعال و اعمال میں نسبتِ مجازی و حقیقی کا لحاظ

بہت سے گمراہ فرقے قرآن کے ظاہری لفظ سے دھوکہ کھا گئے اور انہوں نے قرآن میں بیان کردہ مجازی و حقیقی قرائن کے فرق کو مدّنظر نہ رکھا اور آیاتِ قرآنی کے ظاہری تعارض کو تطبیق سے دور کرنے کی کوشش نہ کی مثلاً:

۱۔ **خلقِ قرآن کا فتنہ پھیلانے والے** اللہ تعالیٰ کے قول **اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا** (الزخرف، ۴۳:۳) ’’بے شک ہم نے اسے عربی (زبان کا) قرآن بنایا ہے۔‘‘ کے ظاہری الفاظ سے ٹھوکر کھا گئے اور گمراہ ہو کر خلقِ قرآن کا عقیدہ گھڑ لیا۔

۲۔ **فرقہ قدریہ** اللہ تعالیٰ کے قول **وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ** (الشوریٰ، ۴۲:۳۰) ’’اور جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے تو اس (بداعمالی) کے سبب

(۱) المؤمن، ۴۰:۳۶

سے ہی (پہنچتی ہے) جو تمہارے ہاتھوں نے کمائی ہوتی ہے۔‘‘ اور فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (المائدۃ، ۵:۱۰۵) ’’پھر وہ تمہیں ان (کاموں) سے خبر فرما دے گا جو تم کرتے رہے تھے‘‘ کے ظاہری الفاظ سے دھوکہ کھا گئے۔

۳۔ **فرقہ جبریہ والوں** نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (الصافات، ۳۷:۹۶) ’’حالانکہ اللہ نے تمہیں اور تمہارے (سارے) کاموں کو خلق فرمایا‘‘ اور وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَـٰكِنَّ اللهَ رَمَىٰ (الانفال، ۸:۱۷) ’’اور (اے حبیب محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے‘‘ کے ظاہری الفاظ سے غلط نتیجہ اخذ کیا اور راہِ راست سے بھٹک گئے۔

ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ تمام امت کا سوائے فرقہ قدریہ کے اس عقیدے پر اجماع ہے کہ بندوں کے افعال و اعمال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک طرف ارشاد ہے وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ اور دوسری طرف ارشادِ ربانی ہے وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَـٰكِنَّ اللهَ رَمَىٰ ان اقوالِ ربّانی کے مقاصد کے پیشِ نظر یہ جائز ہے کہ کسی فعل کی نسبتِ اکتساب بندہ کی طرف کر دی جائے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرۃ، ۲:۲۸۶) ’’اس (جان) نے جو نیکی کمائی اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس نے جو گناہ کمایا اس پر اس کا عذاب ہے‘‘ نیز بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ کے علاوہ اور آیات میں بھی کسب کی اضافت بندہ کی طرف صراحتاً کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا صاحبِ قدرت ہونا اس عالم کے وجود میں آنے سے پہلے سے ثابت ہے۔ کسی کے فعل کے کسب پر قادر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کا خالق بھی ہے، صحیح عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بالذات قدرت اور بندے کو حاصل شدہ قدرت میں حقیقت و مجاز کا فرق ہے کیونکہ بندے کی قدرت کو وجود میں لانے والا اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے۔

۹۔ بندوں کی طرف منسوب اکتسابِ افعال کی نسبت

مذکورہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوا کہ کسی کام پر قادر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کام وجود میں بھی آ جائے۔ بندوں کی طرف کسی فعل کی نسبت بطورِ کسب کے ہوتی ہے جس کی بنا پر بندے اس فعل کی قدرت رکھتے ہیں نہ کہ وہ اس فعل کو عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہیں۔ حقیقت میں افعال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، اسی کے قبضہ میں بندوں اور ان کے افعال کی تقدیر ہے۔ وہی اپنے بندوں کو ان کے کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔ اس کے لئے کوئی چیز وجود میں لانا مشکل نہیں۔ جس چیز سے اللہ تعالیٰ منع فرما دے تو اس کی مشیت کے برعکس کون ہے جو اسے وجود میں لا سکے؟ حکم تو ارادے کا مغائر ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایمان لانے کا حکم دیا لیکن اس کی یہ مشیت بھی ہے کہ سب مؤمن نہ ہوں جیسا کہ قرآن میں فرما دیا:

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ○ (۱)

”اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اگرچہ آپ (کتنی ہی) خواہش کریں○“

پس بندوں کی طرف ان کے اکتسابِ افعال کی نسبت کرنا ایسے ہی ہے جیسے مسبب کی نسبت واسطہ یا سبب کی طرف کردی جائے اور اس میں کچھ تضاد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب پیدا کرنے والا یعنی مسبب الاسباب ہے، وہی واسطہ کو پیدا کرنے والا ہے اور اسی نے واسطہ میں وساطت کی صلاحیت رکھی ہے۔ اگر اللہ ﷻ وساطت کی صلاحیت نہ رکھتا تو وہ واسطہ کیسے بن سکتا تھا؟ اس وساطت کا تعلق چاہے غیر ذوی العقول یعنی غیر ذی شعور اشیاء سے ہو جیسے جمادات، افلاک، باد و باراں اور آگ وغیرہ یا اہلِ عقول سے ہو جیسے فرشتے، انسان و جن لیکن ہوتا وہی ہے جو اس کی مشیت میں ہو۔

(۱) یوسف، ۱۲:۱۰۳

۱۰۔ لفظاً و معناً مفعول کی جدا جدا نسبت

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ایک ہی فعل کی نسبت دو فاعلوں کی طرف کرنا عقل و منطق کے خلاف ہے کیونکہ اس سے ایک ہی اثر پر دو مؤثر عاملوں کا اجتماع لازم آتا ہے جو محال ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت صحیح ہوگا جبکہ دونوں فاعلوں کی فاعلیت متحد ہو لیکن جب دونوں کی فاعلیت ایک نہ ہو تو اس صورت میں مفعول کی مفعولیت معناً دونوں کے درمیان علیحدہ علیحدہ ہوگی اور اس صورت میں فعل کی نسبت، دونوں کی طرف ممتنع نہ ہوگی جیسا کہ اسماء مشترکۃ المعنی کا فرق حقیقت و مجاز کے استعمال سے ظاہر ہے مثلاً کہا جاتا ہے قتل الأمیر فلاناً اور قتل السّیّاف ''اس کو امیر نے قتل کیا اور اس کو جلاد نے قتل کیا'' اس طرح جلاد کو بھی ایک اعتبار سے قاتل کہا جا سکتا ہے اور دوسرے اعتبار سے امیر کو بھی قاتل کہا جا سکتا ہے کیونکہ قتل کا تعلق دونوں سے ہے اگرچہ ایک ہی فعل کا عمل دو مختلف اعتبار سے ہے لیکن دونوں کو فاعل کہنا صحیح ہے۔

۱۱۔ اللہ اور مخلوق سے منسوب امورِ مشترکہ

یہی حال کسی ایک مقدور کے دو قدرتوں سے متعلق ہونے کا بھی ہے۔ اس کے جواز و وقوع کی دلیل وہ امور ہیں جن کی نسبت خود اللہ تعالیٰ نے کبھی ملائکہ کی طرف، کبھی بندں کی طرف اور کبھی اپنی ذات کی طرف کی ہے۔ اس کی چند مثالیں بطورِ نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا. (۱)

''اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ روحوں کو قبض کرتا ہے اس لئے یہاں اس فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جبکہ سورۃ السجدۃ میں فرمایا:

(۱) الزمر، ۳۹:۴۲

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ○ (۱)

”آپ فرما دیں کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روح قبض کرتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے○“

اس آیتِ مبارکہ میں جانیں قبض کرنے کی نسبت ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام کی طرف کی گئی جو جانیں قبض کرنے پر مامور ہے۔ ایک ہی بات تھی۔ ایک جگہ فاعل مذکور ہے اور دوسری جگہ وہ حذف ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب جانیں عزرائیل قبض کرتا ہے تو اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ کا کیا مطلب ہے؟ اس کی وضاحت یوں ہے کہ دراصل اللہ تعالیٰ یہاں یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ جانیں قبض کرنا حقیقتاً تو میرے قبضۂ قدرت میں ہے لیکن اس کے لئے میں نے اپنے فرشتے عزرائیل کو مامور کیا ہے لہٰذا ان سب باتوں کو شرک ہونے سے مجاز نے بچا لیا اور شرک کا امکان ہی باقی نہ رہا جو لوگ وسیلہ کو نہیں مانتے انہیں عالم نزع میں عزرائیل کو کہنا چاہیے کہ میں تو وسیلہ اور ذریعہ کو نہیں مانتا تم چلے جاؤ اللہ تعالیٰ خود آئے اور میری جان قبض کرے۔ ایسا نکتہ نظر رکھنا سوائے جہالت اور لاعلمی کے کچھ نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کا دلچسپ واقعہ

بعض متشدد نقطہ نظر رکھنے والے لوگوں کو مندرجہ ذیل واقعہ پر خود غور و فکر کر کے فیصلہ کرنا چاہیے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

صحیح البخاری (کتاب الجنائز، باب من أحب الدفن فی الأرض المقدسة أو نحوها، ۱: ۴۴۹، رقم: ۱۲۷۴) اور صحیح مسلم (کتاب الفضائل، باب من فضائل موسی، ۴: ۱۸۴۲، رقم: ۲۳۷۲) کی متفق علیہ روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے پاس ملک الموت انسانی شکل میں روح قبض کرنے آئے تو

(۱) السجدة، ۳۲: ۱۱

آپ علیہ السلام نے کسی سبب سے ملک الموت کو ایک طمانچہ مارا اور اس کی آنکھ نکال دی۔ ملک الموت انسانی شکل میں تھے اس لیے ان کی آنکھ نکل گئی کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس ہیئت میں کوئی ہوتا ہے اس پر اسی ہیئت کے احوال وارد ہوتے ہیں۔

وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے اور عرض کیا: اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ ''باری تعالیٰ آپ نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیج دیا جو مرنا ہی نہیں چاہتا۔'' اس نے میری آنکھ پھوڑ دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دوبارہ جاؤ لیکن یہ نہ کہنا کہ میں آپ کی جان قبض کرنے آیا ہوں کیونکہ بارگاہِ انبیاء کے آداب ہوتے ہیں۔ میرے برگزیدہ نبی موسیٰ سے پہلے اجازت طلب کرنا اور پھر ان کی روح قبض کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت حضرت عزرائیل کو یہ ادب کیوں سکھایا وہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک ۷۰ ہزار انبیاء کی روحیں قبض کر چکے تھے پہلے بھی بڑے جلالی نبی آئے لیکن کسی نے تھپڑ نہیں مارا تھا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ انہیں خبر تھی کہ آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء علیہ السلام آنے والے ہیں جن کی شان اور عظمت کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔ جب ان کے وصال مبارک کا وقت آ جائے تو عزرائیل (علیہ السلام) کو بارگاہِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آداب معلوم ہوں۔

درجِ بالا حدیثِ مبارکہ میں حضرت عزرائیل علیہ السلام کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں ''لا یرید الموت'' (وہ بندہ مرنا ہی نہیں چاہتا) کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مرنا نہ مرنا اس بندۂ مرتضیٰ کے اختیار میں ہے یعنی زندگی یا موت کا اختیار بندے کو سونپ دیا گیا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

لَا یَمُوْتُ نَبِيٌّ حَتّٰی یُخَیَّرَ بَیْنَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ.(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرض النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووفاته، ۴:۱۶۱۲، رقم:۴۱۷۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل عائشة، ۴:۱۸۹۳، رقم: ۲۴۴۴

''ہر نبی کو اس کے وصال سے پہلے یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ چاہے تو اپنی مرضی سے واصلِ بہ حق ہو جائے اور اگر چاہے تو مزید دنیا میں قیام کرے۔''

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے بھی یہ اختیار دیا گیا لیکن میں نے اپنے رب سے ملاقات کرنے کو اختیار کیا ہے۔(۱)

امورِ مشترکہ کی چند مزید مثالیں

۲۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے روح پھونکنے کے عمل کو اپنی طرف منسوب کر کے ارشاد فرمایا:

فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُّوْحِنَا. (۲)

''پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔''

حالانکہ روح پھونکنے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام مامور تھے اور وہ اس فعل کے فاعلِ حقیقی نہیں تھے۔

۳۔ سورۃ القیامۃ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے وحی سنانے کو اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا:

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ. (۳)

''پھر جب ہم اسے (زبانِ جبرائیل سے) پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی پیروی کیا کریں۔''

حالانکہ پڑھنے والے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جن کی قرأت کے سامع حضور نبی اکرم ﷺ تھے۔

---

(۱) احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۸۸، ۴۸۹

(۲) الانبیاء، ۲۱: ۹۱

(۳) القیٰمۃ، ۷۵: ۱۸

۴۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں اور مشرکینِ مکہ کا آمنا سامنا ہوا۔ کئی کفار مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو کر واصلِ جہنم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قتل کرنے کے عمل کی نسبت اپنی طرف کی اور ارشاد فرمایا:

فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡهُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمۡ وَمَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج(۱)

”(اے سپاہیانِ لشکرِ اسلام!) ان کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کر دیا اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں کفار کے قتل کی نفی کر کے اسے اپنی ذات سے منسوب کیا اور اپنے حبیب ﷺ کے سنگریزے مارنے کی نفی کر کے اس عمل کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حسی طور پر نسبتِ قتال کی نفی فرمائی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے کنکریاں پھینکنے کے عمل کی نفی فرمائی ہے۔ مسلمانوں کے کفار کو قتل کرنے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے کنکریاں پھینکنے کا معنی اور ہے اور اللہ عزوجل کے قتل کرنے اور کنکریاں پھینکنے کا مفہوم کچھ اور۔ اس کا مقصد حقیقت و مجاز کا فرق واضح کرنا اور خلق و تقدیر کا اثبات ہے جس کا مفہوم دو مختلف طریقوں میں بیان کیا گیا۔

۱۲۔ ایک فعل کی بیک وقت خالق اور مخلوق دونوں کی طرف نسبت

قرآن میں ایسے مقامات بھی ہیں جہاں بیک وقت ایک فعل خالق اور مخلوق دونوں کی طرف منسوب ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰـهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۙ وَ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ سَيُـؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ رَسُوۡلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوۡنَ ○(۲)

(۱) الانفال، ۸:۱۷

(۲) التوبۃ، ۹:۵۹

''اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور رسول (ﷺ مزید) عطا فرمائے گا۔ بیشک ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں (اور رسول ﷺ اس کا واسطہ اور وسیلہ ہے، اس کا دینا بھی اللہ ہی کا دینا ہے اگر یہ عقیدہ رکھتے اور طعنہ زنی نہ کرتے تو یہ بہتر ہوتا)۔''

اس آیت میں عطا کرنے کا عمل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی طرف منسوب ہے۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں اسی مضمون کی وضاحت اس طرح بیان ہوئی ہے جسے حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَدْخُلُ الْمَلَکُ عَلَى النُّطْفَةِ بَعْدَ مَا تَسْتَقِرُّ فِي الرَّحِمِ بِأَرْبَعِيْنَ أَوْ خَمْسَةٍ وَ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً. فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ أَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ؟ فَيُکْتَبَانِ. فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ أَذَكَرٌ أَوْ أُنْثٰى؟ فَيُکْتَبَانِ. وَيُکْتَبُ عَمَلُهُ وَأَثَرُهُ وَأَجَلُهُ وَرِزْقُهُ ثُمَّ تُطْوَى الصُّحُفُ فَلَا يُزَادُ فِيْهَا وَلَا يُنْقَصُ. (۱)

''جب چالیس یا پینتالیس راتوں میں نطفہ رحمِ مادر میں ٹھہر جاتا ہے تو فرشتہ رحمِ مادر میں داخل ہوکر کہتا ہے: اے رب! یہ شقی ہوگا یا سعید؟ پھر ان میں سے ایک لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر پوچھتا ہے: اے رب! یہ مذکر ہوگا یا مونث؟ پس اس میں سے ایک کو لکھ دیا جاتا ہے، پھر اس کے اعمال، اثر، مدتِ حیات اور اس کا رزق لکھ دیا جاتا ہے پھر صحیفے لپیٹ دیئے جاتے ہیں اور ان میں کوئی زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔''

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب القدر، باب کیفیة خلق الآدمي في بطن أمه، ۴: ۲۰۳۷، رقم: ۲۶۴۴

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۱۶، رقم: ۱۲۱۷۸

اس حدیثِ مبارکہ میں خیر و شر کی تقدیر کا نکتہ بیان ہوا ہے جس کا صدور بہ یک وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

۱۳۔ مختلف الوجوہ فعل کے استعمال میں کوئی تناقض نہیں

بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ کسی فعل کا استعمال مختلف وجوہ سے ہوتا ہے اور ان میں کوئی تناقض بھی نہیں ہوتا، قرآن مجید میں عالم نباتات کی طرف کسی فعل کو منسوب کر دیا جاتا ہے۔ جیسے اس آیت میں ارشادِ ربانی ہے:

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ط(۱)

’’(وہ درخت) اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہے۔‘‘

اب ذرا غور کریں تو وہ درخت خود کہاں سے پھل لا سکتا ہے اس کے ثمر آور ہونے کا فعل تو اللہ تعالیٰ نے اس درخت میں فطرتاً پیدا کیا ہے اس مفہوم میں کوئی تعارض اور تناقض نہیں۔ اسی طرح طبرانی اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو کھجور دیتے ہوئے فرمایا: ’’یہ لے لو۔ اگر یہ تمہاری قسمت میں ہے اور تم خود نہ بھی لو تو پھر بھی یہ چل کر تمہارے پاس آ جائے گی۔‘‘(۲) کھجور کے چل کر آنے کا مطلب کچھ اور ہے اور آدمی کے چل کر آنے کا مطلب کچھ اور ہے۔ دونوں کی طرف نسبت مجازی ہے۔ آدمی کے چل کر آنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے میں قدرت و ارادہ پیدا فرما دے گا اور کھجور کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا سبب پیدا فرما دے گا کہ کوئی اور بندہ کھجور کو اس تک پہنچا دے گا اس طرح حقیقت میں دونوں صورتوں میں اس فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اور ان میں معنوی طور پر کوئی تناقض نہیں۔

۱۴۔ واسطہ کو مؤثرِ حقیقی اور خالق جاننا کفر ہے

اللہ تعالیٰ نے واسطہ کو پیدا کیا اور اس میں وساطت کی قدرت رکھی ہے لیکن اگر

(۱) ابراہیم، ۱۴:۲۵

(۲) ابن حبان، الصحیح، ۸: ۳۳، رقم: ۳۲۴۰

کوئی واسطے کو اصل اور مؤثر حقیقی سمجھنے لگے تو اس سے کفر لازم آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قارون کو مال و دولت کی فراوانی سے نوازا تو وہ اِترا گیا اور گھمنڈ کرنے لگا کہ شاید یہ میرا کمال ہے۔ اس نے مال و دولتِ کثیرہ کو اپنی محنت اور کوشش کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے کہا:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ط(۱)

''وہ کہنے لگا: (میں یہ مال معاشرے اور عوام پر کیوں خرچ کروں) مجھے تو یہ مال صرف اس (کسبی) علم و ہنر کی بنا پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔''

قارون مال و دولت کی فراوانی سے غرور پر اتر آیا اور یہ سمجھنے لگا کہ یہ مجھے اپنی ذاتی تگ و دو اور ہنرمندی سے ملا ہے حالانکہ اللہ رب العزت نے اسے خزانوں کا مالک بہ طور آزمائش بنایا تھا لیکن وہ مؤثر حقیقی کو بھول گیا، اللہ رب العزت کو اس کا غرور و تکبر پسند نہ آیا اور اسے اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا اور وہ اپنے اس کفر کے باعث دنیوی اور اخروی عذاب کا مستحق ٹھہرا۔

اس مفہوم کی مزید وضاحت اس ارشادِ نبوی ﷺ سے ہوتی ہے، حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی، اس وقت رات کی بارش کا اثر باقی تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر حاضرین کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا:

هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوْا: اَللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ. قَالَ: قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كَافِرٌ، فَاَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَ رَحْمَتِهٖ، فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ. وَ أَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَ كَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ.(۲)

''کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

(۱) القصص، ۲۸:۷۸

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، ۱:۸۳، رقم: ۷۱

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سے بعض کی صبح ایمان پر اور بعض کی صبح کفر پر ہوئی ہے۔ جس شخص نے کہا ہے کہ ہم پر خدا کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث بارش ہوئی تو اس نے مجھ پر ایمان رکھا اور ستاروں کا کفر کیا، اور جس نے کہا کہ فلاں ستاروں کی تاثیر سے بارش ہوئی ہے تو اس نے میرا کفر کیا اور ستاروں پر ایمان رکھا۔‘‘

گویا کفر کا باعث یہ زعمِ باطل ہے کہ واسطہ کو مؤثر حقیقی و خالق مانا جائے۔

۱۵۔ واسطہ کے جواز پر سنتِ نبوی ﷺ کا حکم

اس حوالے سے ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص فعل کو واسطہ کی طرف منسوب کرتا ہے اور واسطہ کو مؤثر حقیقی نہیں سمجھتا تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ واسطہ اور ذریعہ کو ملحوظ رکھنے کا خود شریعت نے حکم دیا ہے۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللهِ فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ سَأَلَ بِاللهِ فَأَعْطُوهُ، وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيبُوهُ، وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ. (۱)

’’جو شخص تم سے اللہ تعالیٰ کے نام پر پناہ مانگے تو تم اسے پناہ دے دو، جو اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرے تو اسے عطا کر دو، جو تمہیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو، جو تمہارے ساتھ احسان کرے تو اس کا بدلہ احسان کے ساتھ دو، اگر تم اس کی نیکی کا بدلہ نہ دے سکو تو اس کے لئے دعا کیا کرو یہاں تک کہ تم اطمینانِ قلب حاصل کر لو کہ تم نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔‘‘

(۱) ابوداؤد، السنن، کتاب الزکاۃ، باب عطیۃ من سأل باللہ، ۲:۱۲۸، رقم: ۱۶۷۲

کسی کے کام آنا اس کی مشکل آسان کرنا اس پر احسان کرنا بلاشبہ نیکی ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ انسان کے انسان پر احسان کا مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس احسان کی نسبت مؤثر مجازی کی طرف کرکے اس کا بدلہ دینے کی کوشش کرنا مستحسن اسلامی اقدار میں سے ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ.(۱)

’’جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔‘‘

احسان کا مؤثر مجازی بندہ ہے اور یہی اس احسان کا واسطہ بن رہا ہے، اس واسطہ احسان کا اس قدر خیال رکھنا اس احسان کے مؤثر حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہونے کے منافی نہیں۔ اگر منافی ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مذکورہ بالا انسان کا شکر بجالانے کا حکم نہ فرماتے۔

۱۶۔ ترکِ مجاز سے معانیٔ قرآن میں تطبیق ممکن نہیں رہتی

قرآن حکیم میں اگر ایک فعل کا استعمال مختلف طریق سے ہوتا ہے تو اس کے مختلف معانی ہوتے ہیں۔ پس اگر ہم صرف حقیقت کو لیں اور مجاز کو ترک کر دیں تو مختلف و متفرق نصوص میں تطبیق کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ قول مجازاً منسوب کیا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ج(۲)

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب البر، باب فی الشکر، ۴: ۳۳۹، رقم: ۱۹۵۵
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۲
۳۔ ابویعلی، المسند، ۲: ۳۶۵
(۲) ابراهیم، ۱۴: ۳۶

”اے میرے رب! ان (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر ڈالا ہے۔“

کیا اس آیت کے مفہوم پر غور کرنے سے کوئی مؤمن یہ گمان بھی کر سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پتھر سے تراشے ہوئے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہو گا۔ العیاذ باللہ ایسا قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی نفی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے اس قول سے ہو جاتی ہے جس میں قرآن نے انہیں مشرکین سے مخاطب ہو کر ان (بتوں) معبودانِ باطلہ کے حوالے سے یہ استفسار کرتے ہوئے بیان کیا:

قَالَ اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ ۝ (۱)

”ابراہیم (علیہ السلام) نے (ان سے) کہا: کیا تم ان (ہی بے جان پتھروں) کو پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو ۝“

ان دو قرآنی ارشادات کے مفہوم میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں۔ بلاشبہ وہ شخص مشرک قرار پائے گا جو غیر اللہ کے کسی عمل کی اختراع اور اس میں پائی جانے والی تاثیر کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے محبوب و برگزیدہ بندوں جیسے انبیاء و اولیاء یا عام مخلوقاتِ جن و انس، جمادات اور مظاہرِ فطرت میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مشرک ہو گا البتہ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ مسبب میں سبب کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور وہی فاعلِ حقیقی ہے تو اس کا ایمان شرک سے محفوظ رہے گا خواہ وہ سبب سمجھنے میں خطا ہی کر جائے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی خطا سبب میں ہو گی نہ کہ مسبّب میں؟ مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

۱۷۔ معانیٔ قرآن کی تطبیق میں احتیاط

معانی قرآن کی تطبیق میں توحید اور شرک کا فرق سمجھنا ضروری ہے صحیح عقیدہ یہ ہے کہ کسی غیر کو رازق ماننا شرک ہے اسے رزق کا سبب ماننا شرک نہیں۔ محنت کرنے والا کسان، زمین سے رزق پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے نہ کہ مسبب؟ کسان کو رزق کا سبب ماننا

(۱) صافات، ۹۵:۳۷

شرک نہیں۔ اسی طرح لوگ کسی دفتر، فیکٹری یا کارخانہ میں کام کرتے ہیں اور آجر اور مالک ان سے کام لیتے ہیں۔ والدین اپنی اولاد کی ولادت کا سبب بنتے ہیں۔ درسگاہوں میں استاد اور معلم علم دینے کا سبب بنتے ہیں جبکہ مسبب حقیقی اللہ تعالیٰ ہی رہتا ہے۔ سب سے بڑا عالم اور ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ساری عطائیں، عزت اور شان و شوکت اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور یہ سب کچھ دینے میں وہ خود سبب نہیں بنتا بلکہ مخلوق میں سے کسی کو رزق، علم اور ولدیت کا سبب بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مسبِّب ہی ہوتا ہے۔ سبب نہیں۔ سبب ہمیشہ مخلوق میں سے ہوتا ہے۔ اور اسی سبب کو واسطہ و وسیلہ کا نام دیا جاتا ہے نہ کہ مسبِّب کو، لہٰذا سبب یعنی واسطہ سے توسل ہوتا ہے جبکہ مسبِّب پر توکل ہوتا ہے۔

کسی کو نفع ونقصان کا سبب ماننا شرک نہیں

کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے سوا نفع ونقصان کا سبب اور ذریعہ ماننا توحید کی نفی نہیں۔ توحید کی نفی اور شرک تو تب ہوگا جب کسی اور کو مسبِّب حقیقی مانا جائے۔ کوئی مسلمان ازروئے عقیدہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مسبِّب حقیقی نہیں مانتا حتی کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے صرف وسیلہ، ذریعہ اور سبب مانا جاتا ہے اس آخری حد سے اوپر کوئی نہیں جاتا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ اللہ رب العزت نے زمین میں کسی کے رزق کا مالک ہونے کی نفی کی ہے رزق کا وسیلہ، سبب اور ذریعہ بننے کی نفی نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ جیسے مالکِ رزق ہے ویسے وہ مالکِ نفع وضرر بھی ہے۔ قرآن حکیم نے نقصان کا سبب، باعث، وسیلہ یا ذریعہ ہونے کی نفی نہیں کی۔ وسیلہ کی نفی اس وقت ہو گی جب اللہ تعالیٰ کے سوا ان امور کا مالک دوسروں کو مانا جائے اس کی مثال یوں ہے کہ سانپ نے کاٹ لیا تو سانپ نقصان کا سبب یا باعث بنا، ڈاکٹر کی دوا سے کسی مرض سے شفایابی ہوئی تو وہ شفا کا سبب بن گیا مگر نہ ڈاکٹر اور دوائی نفع یا شفا کے مالک ہیں اور نہ سانپ یا زہر نقصان کے مالک ہیں یہاں سببیت کی نہیں بلکہ مالکیت کی نفی ہے۔